حالم (نمرہ احمد)

بیسواں باب:

''شہزادی کی آخری مانگ۔''

اور شہزادی تاشہ کی سات مانگوں میں سے
آخری مانگ کچھ تھی اس طرح
کہ بھر دے سلطان مرسل ایک پیالہ
اپنے خون سے....
ایسا خون کہ جس میں شامل ہو اس کے ماں باپ کا خون....
اور پاک ہو وہ ہر ملاوٹ سے....
پھر ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ....
جب سلطان مرسل شاہ کر چکا باقی چھے مانگیں پوری....
تو ایک دن تنہا' اداس بیٹھے اپنے محل میں....
اس نے رکھا ایک خنجر کلائی پہ....
اور قریب تھا کہ کاٹ ڈالتا اپنی رگِ جان کو....
کہ بند دروازوں والے دیوان خانے میں
کسی جادو سے نمودار ہوئی شہزادی تاشہ....
اسے دیکھ کے رہ گیا سلطان مبہوت....
اور پھسلا خنجر اس کے ہاتھ سے....
سامنے آئی پری چہرہ شہزادی اور گویا ہوئی مسکرا کے....

www.facebook.com/nemrahahmedofficial

''مقصد تھا میرا آپ کا امتحان لینا....

نہ کہ آپ کی جان لینا۔

سات مانگوں کے اس کھیل کو روک ڈالیں یہیں پہ۔

کہ میرے اور آپ کے راستے ہیں جدا جدا۔''

یہ کہہ کہ وہ دھوئیں میں ہوگئی غائب....

اور جھکا دیا مرسل شاہ نے اپنا سر....

اور اس روز پہلی دفعہ اس نے لقب دیا تھا اسے.....

تاشہ پسونا کا.....

(بنگا رایا ملایو۔ باب ۱۳۔ ''شہزادی کی آخری مانگ'')

☆☆==========☆☆

قدیم ملاکہ پہ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کہیں کہیں کوئی مشعل روشن نظر آتی' باقی ہر طرف اندھیرے کا غلاف اوڑھے وہ شہر سونے کی تیاری کرر ہا تھا۔

البتہ بنداہارا کے محل کا حال مختلف تھا۔ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ اوپر آسمان سے دیکھو تو وہ عمارت زرد ستاروں سے سجی دکھائی دیتی تھی۔

محل کا کتب خانہ اس وقت مکمل روشن تھا۔ ایک طرف دو غلام کتابوں کو ترتیب سے رکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور چوکھٹ پہ ایڈم کھڑا تھا۔ کتب خانے کو دیکھ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وقت صرف کے ایل میں گزرا تھا۔ قدیم ملاکہ میں تو وہ ٹھہر گیا تھا۔

سارے مسئلے وقت کے ہی تو تھے۔

غلام صفائی کر چکے اور اپنے جھاڑن لئے رخصت ہو گئے تو ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی۔ کرتا پاجامہ پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ اس ماحول میں ڈھلا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر ان کتابوں کے درمیان واپس آ گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر سارے مسائل کا حل کتابوں سے ملنا تھا۔

وہ پلٹا تو دیکھا۔ اس کی میز جسے وہ ''تین روز قبل'' چھوڑ کے گیا تھا' اس پہ بنگا رایا ملایو کا مسودہ یونہی رکھا تھا۔ کاغذ کی خوشبو تک ویسی تھی۔ وہ چونکا۔ پھر میز کے پیچھے آیا اور کتاب اٹھائی۔

یہ اس کے ہاتھ سے لکھی کتاب تھی۔ بارہ ابواب کی۔ وہ اسے اشاعت کے لئے دے کر گیا تھا مگر یہ یہیں پڑی تھی۔

''یہ اشاعت کے لئے نہیں بھجوائی گئی؟'' اس نے پہریدار کو بلایا اور کتاب کے صفحے اچنبھے سے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' شاہی مورخ۔ مراد راجہ نے کہا تھا کہ ابھی طباعت و اشاعت کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب نامکمل ہے۔ آپ واپس آ کے اسے آگے لکھیں گے۔'' وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

ایڈم نے ہنکارا بھرا اور قدیم کتاب واپس رکھ دی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔

ایڈم کی لکھی بنگارا یا ملایو میں بارہ ابواب تھے۔ مگر جو بنگارا یا ملایو جدید دور میں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی' اس میں کل پندرہ ابواب تھے۔ یہ تین اضافی باب ایڈم نے جدید کے ایل میں جا کے پڑھے تھے۔ تیرہویں باب کے آغاز میں یہ سطور پڑھ کے کہ شہزادی سفر سے واپس لوٹ آئی تھی اور اس کے بالوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا' وہ گھبرا گیا تھا۔ مگر جب اس نے ان تینوں ابواب کو مکمل پڑھ لیا تو وہ جہاں الجھ گیا' وہاں اسے ایک اطمینان بھی نصیب ہوا کہ یہ باب اس نے نہیں لکھے تھے۔

یہ تین ابواب ایڈم بن محمد نہیں لکھ سکتا تھا۔

وہ تین ابواب عجیب تھے۔ احمقانہ' سوپر نیچرل' بغیر لاجک کے واقعات پہ مبنی... جیسے کسی نے خانہ پری کے لئے لکھے ہوں۔ جیسے ان تین ابواب کی sense نہ بنتی ہو۔ ایک اچھی بھلی کہانی کو جیسے مصنف نے گھما کے عجیب سوپر نیچرل اور غیر فطری رخ دے دیا ہو اور آخر میں ایک ٹریجک اختتام پہ کہانی ختم کر دی ہو۔

پچھلے چند ماہ میں..... جب سے ایڈم نے ان تین ابواب کو پڑھا تھا۔ اس کو لگتا تھا یہ راجہ نے کسی اور سے لکھوائے تھے۔ خانہ پری۔ دیومالائی سا اینڈ۔ مگر اب جبکہ وہ واپس آ گیا تھا' وہ واقعی یہ سوچنے لگا کہ اس کتاب کو کون مکمل کرنے جا رہا تھا؟

وہ تو یہاں چند دن کا مہمان تھا۔ بیمار تھا مگر پرامید تھا کہ دوا ملے گی اور وہ واپس اپنی زندگی میں چلا جائے گا۔ لکھنے کے لیے تو ڈھیروں سکون اور تحریک چاہی ہوتی ہے۔ اور ساتھ دل کا درد بھی۔ دل کے درد کے بغیر کوئی لکھ بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ دوسرے کاموں میں الجھے تھے۔

نہیں۔ وہ ابواب ایڈم نے نہیں لکھے تھے نہ اس نے کچھ مزید لکھنا تھا۔ اسے صرف اپنی دوا کے حصول پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ اسے دوا مل جائے' اور وہ تینوں واپس چلے جائیں۔ یہی ان کی کہانی کا منطقی انجام تھا۔

اس نے مسودے پہ کپڑا ڈال دیا۔ کل وہ اسے دوبارہ اشاعت کے لیے بھجوا دے گا۔ بنگارا یا ملایو یہیں پہ ختم ہو جانی چاہیے۔

☆☆=========☆☆

تاریکی کا غلاف وانگ لی کی سرخ حویلی پہ بھی چڑھا تھا۔ پھاٹک کے باہر ابھی ابھی گھوڑے آن رکے تھے اور فربہی مائل چینی سفیر اپنی سواری سے اتر رہا تھا۔

وہ دروازے تک پہنچا تو ٹھٹک کے رکا۔ باہر ایک مشعل روشن تھی۔ اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ چرچراتا ہوا کھلا۔ اندر راہداری بھی روشن تھی۔ گھر میں کوئی تھا۔

جب سے غلام فاتح گیا تھا' اس نے ابھی تک دوسرا غلام نہیں رکھا تھا جو گھر کے اندرونی کاموں کے لیے ہو۔ پہریدار اور سپاہی کافی تھے۔ وہ سارا وقت امور سلطنت میں الجھا رہتا اور رات دیر سے گھر آتا تو گھر تاریک ملتا تھا۔

آج ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ چوکنا سا چلتا اندر تک آیا۔ ہاتھ کمر سے بندھے خنجر کے دستے پہ جما تھا۔ مگر برآمدے تک پہنچ کے اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

برآمدے کے ستون کے ساتھ...اس کی طرف پشت کیے....سفید کرتے پاجامے والا شخص کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

چاندنی میں نہایا مجسمہ صحن میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔

وانگ لی نے گہری سانس لی اور ماتھے پہ بل ڈال لئے۔

''تم واپس آ گئے؟ اتنی جلدی۔''

فاتح نے گردن موڑی اور ایک بے نیاز سی نظر اس پہ ڈالی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر فاتح نے رخ واپس پھیر لیا۔

''تم میرے گھر کیوں آئے ہو؟ میں نے تو تمہیں آزاد کر دیا تھا۔'' وانگ لی اس کے قریب آ کے رکا۔ اس کے چہرے پہ فاتح کو دیکھ کے واضح غصہ در آیا تھا۔

''جانتا ہوں۔ اس لئے تمہارے آگے سر جھکانے نہیں کھڑا ہوا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے سامنے کنویں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں آزاد کرنے کا مطلب تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''یہ میرا بھی گھر ہے۔'' وہ زیر لب بولا مگر وانگ لی سن نہ سکا۔ تیوریاں چڑھائے' پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے تلخی سے بولا۔

''تمہیں ملکہ اور میرے ساتھ دھوکہ کرنے کے بعد یوں اتنے نڈر انداز میں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ تم یہاں سے جاتے وقت بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔''

وان فاتح بے تاثر مگر پرسکون چہرے کے ساتھ اس کی طرف پلٹا اور غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سب یاد ہے اور میں اسی لئے واپس آیا ہوں کہ مجھے سب یاد ہے۔''

''تم نے نہ صرف ملکہ سے دھوکہ کیا بلکہ تمہیں یہاں دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے چاری شہزادی کو بھی تم اپنے گاؤں چھوڑ آئے ہو جس نے تم پہ بھروسہ کر کے .....'' وانگ لی کہتے کہتے رکا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ''شہزادی کہاں ہے؟''

''جہاں انہیں ہونا چاہیے۔ اپنے باپ کے محل میں۔''

وانگ لی کا رنگ بدلا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''تم اسے واپس لے آئے؟''

''ہاں۔ وہ بھی دن کی روشنی میں۔''

''ملکہ نے..... ملکہ نے تمہاری جان اس لئے بخشی تھی کیونکہ تم شہزادی کو یہاں سے لے جا رہے تھے۔ یہ ایک شرط پوری کی تھی تم نے اور وہ بھی.....'' وانگ لی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

فاتح نے کندھے اچکائے۔ ''یہاں سے لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کبھی واپس آنا چاہے گی تو اسے روک لوں گا۔''

''تم..... تم چار دن بھی اپنے وعدے کو پورا نہیں کر سکے۔ چار دن بھی.....''

''سن باؤ۔ کتنا اچھا ہو اگر تم وقت کے حساب کتاب مجھے نہ سمجھاؤ۔'' پھر کرتے کے آستین پیچھے کو موڑتے ہوئے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی۔ ''صبح چلا جاؤں گا۔ رات مجھے یہیں ٹھہرنا ہے۔''

''یہ میرا گھر ہے اور تم میرے غلام نہیں ہو جو.....''

''یہ میرا بھی گھر ہے' سن باؤ۔ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔''

وہ سنجیدگی سے کہہ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی گردن اٹھی تھی اور چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا۔ وانگ لی ضبط کا سانس بھر کے رہ گیا۔ پہلے سوچا پہریداروں کو آواز دے وہ حویلی کے باہر کھڑے تھے' پھر کسی خیال کے تحت خاموش ہو گیا۔

وہ لکھائی کی میز تک آیا اور قلمدان سے قلم نکال کے جلدی جلدی ایک رقعہ تحریر کرنے لگا۔

اسے ملکہ کو اس خطرے سے آگاہ کرنا تھا جو ٹلتے ٹلتے واپس ان کے سروں پہ منڈلانے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل کی کھڑکیاں ہنوز روشن تھیں۔ ایسی ہی ایک روشن بالکونی میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔ سیاہ بال جوڑے میں باندھے' سر پہ تاج سجائے' وہ گہرے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ دیکھ کے کنیزوں کی آنکھیں پھیلی تھیں مگر سوالات پہ پابندی تھی اس لیے انہوں نے خاموشی سے اسے تیار کر دیا تھا۔ وہ اپنے ''اصل'' روپ میں... ایک

شہزادی کے روپ میں واپس آ چکی تھی... مگر کیا یہ اس کا اصل تھا؟

محل کی بالکونی سے دور نظر آتے سیاہ سمندر کو دیکھتے ہوئے تالیہ مراد کا دل بالکل خالی تھا۔

''شہزادی۔'' کنیز نے پیچھے آ کے ادب سے پکارا تو وہ چونکی۔ اس طرزِ تخاطب کی عرصہ ہوا عادت نہ رہی تھی۔

''ابوالخیر اور مراد راجہ آپ کا کھانے پہ انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوں۔'' شہزادی نے ابرو سے اس کو اشارہ کیا اور پھر..... کندھے سیدھے کیے اور گردن کڑا لی۔ اسے اب شہزادی کی طرح رہنا تھا۔ کسی پولیس سے بھاگتی مفرور ملزمہ کی طرح نہیں۔ (میری زندگی کا وہ فیز اب پیچھے رہ گیا ہے۔ کوئی پولیس' کوئی دولت اب میرے پیچھے نہیں آ سکتے۔ میں آزاد ہوں اور میرے لیے یہی زندگی کافی ہے۔)

وہ خود کو ایسے خیالات سے تسلی دے رہی تھی اور واقعی بجھے دل کو یہ خیالات تسلی دے بھی رہے تھے۔

ایک خوبصورت دیوان خانے میں طعام سجا تھا۔ وسط میں چھوٹی میز رکھی تھی اور اس کے گرد مراد اور ابوالخیر آمنے سامنے زمین پہ بیٹھے تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ پیچھے غلام ہاتھ باندھے پانی اور قہوے کی صراحیاں پکڑے کھڑے تھے۔

تالیہ نے ایک نظر چھت سے لٹکتے فانوس پہ ڈالی۔ پھر اطراف میں دیکھا۔ محل کی شان' اس کی دیواروں سے ٹپکتی ہیبت' غلاموں کی اس کو دیکھتے ہی جھک جانے والی نظریں۔ یہ وہ دنیا تھی جہاں وہ چٹکیوں کے اشارے سے گردنیں مار سکتی تھی۔ جہاں کوئی دولت امان نہ تھا۔ جہاں اسے کسی کو یقین نہیں دلانا تھا کہ وہ ایک اچھی لڑکی بن چکی ہے۔ یہاں کسی کا اس پہ احسان نہ تھا۔ کسی کا ہاتھ اس کے اوپر نہ تھا۔ وہ یہاں کسی کی باڈی وومن نہیں تھی۔

تالیہ مراد بالآخر آزاد تھی۔

شہزادی کو مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوتے دیکھ کے وہ دونوں افراد اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مراد شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھوں تک آتے سیاہ بالوں میں ہمیشہ کی طرح بارعب اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ البتہ تالیہ کو دیکھ کے لبوں پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ در آئی تھی۔

ابوالخیر کی آنکھوں میں البتہ طنزیہ تاثرات ابھرے تھے۔

''آپ سے مجھے بہت گلے ہیں' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے بولا مگر لہجے کا طنز اور شاکی پن واضح تھا۔

''مجھے افسوس ہے اس سب کے لئے جو آپ کے غلاموں کے ساتھ ہوا۔'' وہ مسکرا کے کہتی بیٹھی۔ لباس پھول کی طرح اردگرد پھیلا دیا۔ وہ دونوں بھی اپنی جگہوں پہ بیٹھے۔

''اور اسی لئے میں آپ سے مل کے ہمارے درمیان تمام ابہام رفع کرنا چاہتی تھی۔''

اسے اب یہاں رہنا تھا تو ملاکہ کے تالاب کے سارے مگرمچھوں سے اچھے تعلقات بھی رکھنے تھے۔

دیوان خانہ زرد روشنیوں سے روشن تھا۔ وسط میں رکھی میز کے تینوں اطراف میں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ ایک غلام نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹا رکھا تھا اور مراد اپنی طشتری میں کھانا نکال رہا تھا۔ سارے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلنے لگی۔ ابوالخیر البتہ تالیہ کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی..... آپ نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر آپ غلاموں کو نہ اکساتیں تو وہ ''جیا'' سے نکل کے آپ کے محل کے سامنے نہ کھڑے ہو جاتے اور ہمیں ان کو آزاد نہ کرنا پڑتا۔ مجھے آپ سے گلہ ہے کہ آپ نے میرے مقابلے میں اس غلام کا ساتھ دیا ہے۔''

تالیہ کی رنگت ذرا دیر کو بدلی مگر وہ سنبھل کے مسکرا دی۔ ''کون سا غلام؟''

''وہی جو سن باؤ کا خدمتگار ہے..... اس کے گھر میں رہتا ہے.....''

(اور بندا ہارا کے محل سے دور..... سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سرخ حویلی کی بالکونی میں کھڑا اندھیرے میں ڈوبتے ملاکہ کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ غلام جس کو مراد راجہ نے قید کر رکھا تھا اور آپ کو چاہیے تھا کہ اس معاملے سے دور رہتیں مگر آپ اس غلام سے ہمدردی کرنے لگیں......''

(سن باؤ سونے جا چکا تھا۔ سرخ حویلی خاموش پڑی تھی۔ ایسے میں فاتح کچھ سوچ کے حویلی سے باہر نکل آیا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ وانگ لی کا سفید گھوڑا اس کو پہچانتا تھا۔ فاتح نے نرمی سے گھوڑے کو پہلے تھپکا' پھر اس کی لگام کھولنے لگا۔)

''آپ کو لگا آپ کے والد نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے مگر آپ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اتنے دن سے وہ غلام جیا میں دوسرے غلاموں کو بہکا رہا تھا۔ وہ غدار تھا۔ باغی تھا۔ اس کا ٹھکانہ قید ہی ہونا چاہیے تھا۔''

(اس نے گھوڑا بازار کے دہانے پہ روکا اور نیچے اترا۔ بازار کی بتیاں ابھی تک گل نہیں ہوئی تھیں۔ فاتح گھوڑے کی لگام تھامے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ دکانیں ہنوز کھلی تھیں اور لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔)

''آپ نے خدا جانے کس شے کی بنا پہ اپنے بابا کو مجبور کیا کہ وہ ہم سب کو حکم دیں کہ ہم ناجائز غلاموں کو آزاد کر دیں اور ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ ہم نے اتنے سارے غلام کھو دیے۔''

(وہ آنکھوں میں تحیر لئے ان دکانوں کو دیکھ رہا تھا۔ چند لوگ وہاں سے سامان اٹھا اٹھا کے مال گاڑی میں لا د رہے تھے۔

سامنے ابوالخیر کی حویلی تھی۔ وہ اس طرف بڑھنے لگا۔)

''سن باؤ نے اس غلام کو بھی آزاد کر دیا اور وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ مگر مجھے آپ سے گلہ رہے گا شہزادی کہ میں نے آپ کو مسجد تک بنوا کے دی' ہر شے میں آپ کا ساتھ دیا مگر آپ نے میرے سارے غلام مجھ سے دور کر دیے۔'' شکوہ کرتے ہوئے بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

(حویلی کی دیوار تک پہنچ کے وہ رک گیا۔ پھاٹک کھلا تھا اور اس پہر کسی دوسرے شہر سے آنے والا سامان اندر رکھوایا جا رہا تھا۔ ابوالخیر کی حویلی پہ قریباً ہر وقت ہی یہی منظر ہوتا تھا۔ پہلے اس کے پاس غلاموں کی فوج ہوتی تھی' اس لئے یہ کام فوراً ہو جاتا تھا۔ اور آج..... فاتح اندھیرے میں کھڑا دم سادھے دیکھنے لگا۔ آج غلاموں کی مدد کے بغیر ابوالخیر کے سارے کام کیسے ہو رہے تھے؟)

''سوال یہ ہے ابوالخیر....'' شہزادی نے مسکرا کے قہوے کی پیالی اٹھائی' گھونٹ بھرا اور اسے نیچے رکھا۔'' کہ آپ راضی کیوں ہوئے؟ میرے بابا کو انکار کرنا اتنا مشکل تو نہ تھا۔''

(فاتح یک ٹک کھڑا سامان ڈھوتے ان نفوس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ وہی تھے۔ سارے غلام وہی تھے۔ وہ فاقوں کے مارے' چیتھڑوں میں ملبوس لوگ..... وہ اسی طرح ابوالخیر کے کام کر رہے تھے جیسے کرتے آئے تھے.... مگر اب تو وہ آزاد تھے؟ پھر کیوں؟)

''کیونکہ آپ کے بابا کی بات ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سارے غلام اگلے روز ہی میرے پاس واپس آ جائیں گے۔''

وہ چونکی...... ''وہ کیسے؟'' (دل ایک دم ڈوب کے ابھرا تھا۔)

(وان فاتح پتلیاں سکوڑے ان کام کرتے غلاموں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ کچھ چہرے نئے تھے۔ تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ چونکا۔)

''صرف میرے غلام نہیں' شہزادی.... دوسرے روساء کے غلام بھی میری چاکری کے لئے آ چکے ہیں۔''

(ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے فاتح کو احساس ہوا کہ ابوالخیر کے غلاموں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ ابھی تین چار دن پہلے تو وہ انہیں آزاد کروا کے گیا تھا.... تو.... پھر....؟)

''کیونکہ آپ نے اور سن باؤ کے اس غلام نے یہ نہیں سوچا کہ خالی خولی آزادی بے معنی ہوتی ہے۔ برسوں اور مہینوں سے میری غلامی کرنے والے کچھ اور کرنا بھول چکے تھے۔ ان کے پاس نہ پیسہ تھا نہ کھانے کو کچھ تھا۔ نہ ان کے گھر بار تھے۔ وہ

کنوارے' اکیلے' بھوکے لوگ تھے۔ میں نے اگلے دن ہی اعلان کروا دیا کہ جو بھی میرے کام میں ہاتھ بٹائے گا میں اس کو یومیہ اجرت دوں گا۔" ابوالخیر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

"شام تک آدھے واپس آ گئے اور جب ان کو اجرت ملی تو اگلی صبح دوسرے رؤسا کے غلام بھی میرے پاس تھے۔ اب وہ آزاد ہیں مگر ان کو آزادی نہیں چاہیے تھی۔ ان کو دو وقت کی روٹی چاہیے تھی اور روز کے چند سکے۔ میں ان کو صرف اتنے سکے دیتا ہوں جن سے ان کی جان حلق سے نہ نکلنے پائے۔ مگر وہ کچھ جمع بھی نہ کر پائیں۔ ان کو روز کی روٹی کے لئے میرے پاس واپس آنا پڑے۔ اتنا ہی خرچہ پہلے ان کی روٹی پہ آتا تھا' اب ان کو اتنے ہی سکے دے دیتا ہوں۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا۔ اور وہ بھی خوش ہیں۔ ہاں جس روز کوئی غلام کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا کے طور پہ اس کی یومیہ اجرت سے کٹوتی ہوتی ہے۔ یوں وہ میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔ وہ میرے "غلام" نہیں رہے' شہزادی' مگر وہ میرے "ملازم" بن چکے ہیں۔"

(وہ اندھیرے میں کھڑا افسوس سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سامان رکھا جا چکا تھا اور ایک داروغہ صورت آدمی کھڑا قطار میں لگے' ملازموں' کو باری باری چند سکے دے رہا تھا۔ ایک کو اس نے البتہ سکوں کی جگہ جھانپڑ رسید کیا' اور اس کی غلطی یاد کروائی' تو وہ سر جھکائے خالی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔)

"آپ کے اس عمل کی وجہ سے وہ' ملازم' زیادہ برے حال میں ہیں۔ ان کے پاس رہائش نہیں ہے۔ وہ شہر میں کہیں نہ کہیں سو پڑے رہتے ہیں۔ اور جو میرے احاطے میں سونا چاہیں' تو ان کی اجرت مزید کم ہو جاتی ہے۔ میرا کام پہلے سے زیادہ اچھا جا رہا ہے' شہزادی۔ اس لئے اب میں آپ سے مزید گلہ کرنا نہیں چاہتا۔"

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بے اختیار باپ کا چہرہ دیکھا جس نے کھانا کھاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔ "میں نے کہا تھا' یہ بے مقصد ہو گا۔"

وہ بدقت سنبھلی اور زبردستی مسکرا کے اتنا ہی بولی۔

"امید ہے اب ہمارے درمیان کوئی شکوہ شکایت نہیں ہو گی۔ کل سے ہم پہلے کی طرح کام شروع کر دیں گے۔" اور کھانا نکالنے لگی۔ البتہ اس کی رنگت بجھ گئی تھی۔

وہ یہاں آزاد تھی۔ وہ ملکہ بننے والی تھی۔

مگر صرف آزادی کافی نہیں تھی۔ آزادی کے بعد بھی بہت سی لڑائیاں لڑنا تھیں۔

(وہ جھکے کندھوں کے ساتھ گھوڑے کی لگام تھامے حویلی کی طرف واپس جا رہا تھا۔ ملاکہ کو وہ جس حال میں چھوڑ کے گیا تھا' اس کا یہ قدیم شہر اس سے برے حال میں تھا۔ اس کے لوگ "نوکریوں کے غلام" بن چکے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔)

''ابوالخیر نے کھانے کے دوران مجھے کہا کہ.....'' ابوالخیر چلا گیا تو تالیہ نے خادموں سے کمرہ خالی کروایا اور سنجیدگی سے مراد کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''کہ آپ ملکہ بننے والی ہیں۔''

''تم واپس آئی ہو.....ملکہ بننے کے لئے!'' وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں سلطان مرسل کی ملکہ بننے نہیں آئی۔ میں آپ کے ساتھ اس ملک پہ حکومت کرنے آئی ہوں مگر مجھے سلطان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ جھنجھلا کے بولی۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔ پھر چاولوں کا لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دنیا میں کتنا وقت گزرا تھا؟''

''چھ سات ماہ.....'' اس نے گہری سانس بھری۔

''اور ان چھ سات ماہ میں تم نے وہ تعلق ختم نہیں کیا جس کو بنانے کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا؟''

''اس تعلق کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ دونوں واپس چلے جائیں گے اور میں نہیں جاؤں گی۔ مگر میں مرسل شاہ سے شادی بھی نہیں کروں گی' بابا۔ مجھے اس مسئلے سے نجات دلائیں۔''

مراد نے گہری سانس لی۔ ''یہ تمہیں واپس آتے وقت معلوم تھا۔ پھر تم اس مسئلے سے نجات کیوں چاہتی ہو؟''

تالیہ نے ناک سے مکھی جھلائی۔ ''کیونکہ کتاب کے مطابق... یعنی بنگارایا ملایو کے مطابق... جو ہم نے اپنے زمانے میں پڑھی ہے... میری شادی سلطان سے نہیں ہوئی تھی۔''

مراد چونکا۔ پھر دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اسی لیے غلام فاتح کو ہمارا مستقبل معلوم تھا۔ اس نے ایسا کچھ دعویٰ کیا تھا۔ کیا اس کتاب میں ہماری ساری کہانی لکھی ہے؟''

''پہلے بارہ ابواب تک تو ساری کہانی درست لکھی گئی ہے جو ایڈم.....(وہ رکی) آدم بن محمد سے میں نے لکھوائی تھی۔ باقی کے تین ابواب غالباً میرے جانے کے بعد آپ نے لکھوائے تھے۔'' وہ ناک سکوڑے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ آخری تین ابواب میں نے لکھوائے تھے؟ میں نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔''

''کیونکہ ان تین ابواب میں لکھے کام میں نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟ ان میں کیا ہوا تھا؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''ان میں میں سلطان مرسل سے شادی کے لئے راضی ہو گئی تھی سات شرائط کے عوض۔ اور آخری شرط یہ تھی کہ سلطان اپنے آپ کو مار دے۔ باقی چھ شرائط مزید مضحکہ خیز تھیں۔ میں کسی کو اس کی اپنی جان لینے کا نہیں کہہ سکتی' بابا۔ اس لیے جیسے بھی ہو' مجھے اس سلطان سے نجات دلائیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ مراد نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تم واپس تو نہیں جاؤ گی، تالیہ؟'' اس نے کسی خدشے کے تحت پکارا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''اگر مجھے جانا ہوتا تو میں سلطان سے نجات نہ مانگتی۔ یہاں رہنا ہے تو اس سے نجات چاہیے۔ البتہ میرے دوست.....وہ واپس جائیں گے اور آپ ان کو جانے دیں گے۔ وہ یہاں ایک شے کی تلاش میں آئے ہیں، جب وہ مل جائے گی تو وہ واپس چلے جائیں گے۔''

مراد نے ابرو اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ ''وہ کیا؟''

''آپ آرام کریں بابا۔ میں صبح آپ کو آدم سے ملواؤں گی اور سارے معاملے سے آگاہ کروں گی۔'' جھک کے دوبارہ تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ مگر مراد راجہ تھوڑی کو ناخن سے کھجاتے دلچسپی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔

اسے وان فاتح کی باتیں یاد آئی تھیں۔

تو کیا کوئی کتاب ایسی بھی تھی.....دوسری دنیا میں.....جس میں ان سب کے انجام لکھے تھے؟ کیا اس کتاب کو حاصل کیا جا سکتا تھا؟ کیا اپنا مستقبل جان کے اس سے بچا جا سکتا تھا؟

اس کا ذہن ایک دوسرے نہج پہ سوچنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح قدیم ملاکہ پہ خوب روشن سی اتری۔ فجر کے قریب خوب بارش برسی اور سارے شہر کو بھگو گئی۔ پھر بادل چھٹ گئے اور سورج نے ملاکہ کو روشن کر دیا تو یوں لگا جیسے ساری کائنات کی خوبصورتی ملاکہ سلطنت میں آ بسی ہو۔ سرسبز درخت.....نیلے سمندر کا سفید جھاگ اڑاتا پانی.....گھاس کے درمیان بنے اونچے نیچے بھورے راستے.....

سن تھا 1577ء اور شہر تھا ملاکہ کا.....

سن باؤ کی حویلی کے سامنے گھنے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے پار کھلا سبزہ زار تھا۔ وہاں گھاس پہ ایڈم بن محمد چلتا آ رہا تھا۔ سر پہ ٹوپی جمائے، کندھے پہ تھیلا لادے، اس نے سنہری تاروں سے بنا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے شاہی مورخ ہونے کا پتہ دیتا تھا۔

سامنے ایک درخت کے نیچے بڑے پتھر پہ وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے اس نے ہاتھ اٹھا کے دور سے سلام کیا۔ وہ اپنے لباس سے غلام نہیں لگتا تھا۔ بس ملاکہ کا عام سا آدمی لگتا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین کلائیوں پہ موڑ رکھے تھے۔ پتھر پہ بیٹھا وہ کچھ سوچتے ہوئے ایک سوکھی ٹہنی سے تنکے الگ کر رہا تھا۔ وہ کے ایل والے وان فاتح سے کتنا مختلف

نظر آتا تھا۔

''قدیم ملاکہ آکے معلوم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو مس کرر ہا تھا۔ حالانکہ جب میں یہاں آیا تھا تو یہاں سے بھاگ نکلنا میری اولین ترجیح تھی۔''

ایڈم اس کے ساتھ دوسرے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا تو فاتح نے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تم کب سے بیمار ہو؟''

وہ دونوں پتھروں پہ یوں بیٹھے تھے کہ درختوں کی گھنی بیلٹ کی طرف پشت تھی اور سبزہ زار کی طرف چہرہ تھا۔ سبزہ زار کافی وسیع تھی اور اس کا اختتام افق پہ چمکتے سورج پہ ہوتا تھا۔

''آپ کو ہم یاد نہیں تھے تو میں آپ کو کیسے بتایا؟ پے تالیہ کو بھی اسی لئے نہیں بتایا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔'' مورخ سادگی سے بتانے لگا۔''مگر اس روز جب میں ذوالکفلی کے گھر الٹے قدموں واپس آیا تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جڑی بوٹیاں انہوں نے میرے لئے منگوائی ہیں۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ داتن انہیں سب بتا چکی ہے۔ تب ہم نے مل کے یہ پلان بنایا جو کہ دراصل پے تالیہ کا ہی پلان تھا کہ ذوالکفلی سے کسی طرح چابی لے کر مراد راجہ کے پاس واپس جایا جائے۔ وقت نے پیچھے سے رک ہی جانا تھا اس لئے ہم جانتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کھوئیں گے اور کسی کو علم ہونے سے پہلے واپس آجائیں گے۔''

''اور یہ بیماری.....یہ کتنی شدید ہے؟'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' ایڈم نے افق پہ نظر آتے سورج کو دیکھ کے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کندھے اچکائے۔''میں یہاں سے گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب سے وہ سائمن کے حملہ آوروں نے مجھے ہسپتال پہنچایا تھا' اس کے بعد سے مجھے مسئلے رہنے لگے تھے۔ میں نے ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہوا کہ کینسر نہیں ہے مگر کوئی ٹیومر ہے جو جگہیں بدل رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قدیم ملاکہ کا کوئی آسیب ہے۔ کوئی curse۔ اور پھر داتن کی کتابوں نے اس واہمے کی تصدیق کر دی۔''

''اور اب؟ اب تم کیسے ہو؟''

ایڈم دھیرے سے مسکرایا۔''میں ٹھیک ہوں۔ یعنی ذرا سی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کبھی کبھی مگر ابھی بیماری اولین اسٹیج پہ ہے۔ عجیب بیماری ہے جو بڑھ نہیں رہی۔ رکی ہوئی ہے۔ سائمن کی وجہ سے جب میں ہسپتال پہنچا تھا اس کے فوراً بعد یہ جس طرح شروع ہوئی تھی اب بھی ویسی ہی ہے۔''

''یعنی یہ بیماری وقت کے ساتھ پروگریس نہیں کر رہی۔''

''نہیں۔ حالانکہ بیماریاں پراگریس کرتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ بیماری رکی ہوئی ہے اس لئے تو کسی کو معلوم نہیں ہو

پایا کہ میں بیمار ہوں۔" مسکرا کے کہتے ایڈم نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور پھر پوچھا۔

"کیا آپ نے واقعی استعفیٰ دے دیا ہے؟"

"ہاں۔اور آج صبح کارمن اسے جمع بھی کروا دے گی۔"

"غلط' سر۔جدید دنیا میں وقت رکا ہوا ہے۔ ہمارے واپس جانے کے بعد وہ چلے گا۔یعنی ابھی کارمن نے آپ کا استعفیٰ نہیں جمع کروایا۔واپس جانے کے بعد بھی آپ کے پاس وقت ہو گا اس فیصلے کو واپس لینے کا۔"

"نہیں ایڈم۔میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔" وہ سر جھکا کے تنکے سے پتے الگ کرنے لگا۔

"وہ آپ کا سب سے بڑا خواب تھا۔آپ اس سے کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں۔"

"مگر میں نے اخلاقی معیار بہت اونچے بنا لئے تھے اور میں خود ان پہ پورا نہیں اتر سکا۔میں اب اس معیار کو اپنے لیے بدل نہیں سکتا ۔میں اس کو پورا نہ کرنے کی سزا کاٹنا چاہتا ہوں۔میرے لئے بہترین فیصلہ یہی تھا اس لئے میری یادداشت واپس آ گئی۔"

"نہیں سر۔وقت کے سوال حل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فیصلہ بہترین تھا۔ان سوالوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے' اسے کل پہ ٹالنے کی بجائے آج کرنا بہتر ہے۔اگر آپ کوئی اور فیصلہ کرتے اور درست وقت پہ کرتے' تب بھی آپ کی یادداشت واپس آ جاتی۔مگر.....خیر.....واپس جا کے....."

"ایڈم تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ہم واپس جائیں گے؟"

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔" کیونکہ ہم نے میری دوا لے کر واپس ہی جانا ہے۔"

"اچھا کیسے؟"

"چے تالیہ کے پاس پلان ہو گا۔ان کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

فاتح چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔" وہ واپس نہیں جائے گی۔"

ایڈم حیران ہوا۔" وہ واپس جانے کے لئے ہی آئی ہیں۔"

"وہ جس طرح کل اپنے سپاہیوں کو حکم دیتی باہر نکلی تھی' اس سے مجھے نہیں لگتا کہ وہ واپس جانے کے لئے آئی ہے۔"

"وہ کون گرل ہیں' سر۔وہ ان سب کو کون کر رہی ہیں۔ظاہر ہے اپنے بابا کو وہ یہی تاثر دیں گی کہ وہ یہاں رہنے آئی ہیں ورنہ وہ ہمیں چابی نہیں دیں گے اور....."

"ایڈم.....وہ کسی کو کون نہیں کر رہی۔وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔"

''میں ان کو جانتا ہوں۔وہ......''

''تم اس کو جانتے ہو مگر اس کو بھولا میں بھی نہیں ہوں۔ٹھیک ہے کہ اس نے زہر نہیں کھایا تھا مگر وہ ہماری دنیا سے مایوس ہو چکی تھی۔اس نے اپنی ''اُس'' زندگی کو ختم کر دیا ہے اور وہ ''اِس'' زندگی میں واپس آ گئی ہے۔اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتا۔''

ایک دم ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا آیا جس نے ایڈم کو چونکا دیا۔اس نے جواب نہیں دیا۔وہ کھڑا ہو گیا۔

سامنے سبزہ زار پہ وہ چلی آ رہی تھی۔اپنی بگھی اس نے دور رکوا دی تھی اور سپاہیوں اور کنیزوں کو وہیں کھڑا کیے' وہ خود تنہا ان کی طرف آ رہی تھی۔کامدار لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' سر پہ تاج سجائے' وہ ماتھے پہ سلوٹیں ڈالے' سنجیدہ نظر آتی تھی۔

ایڈم نے جھک کے سلام کیا۔''شہزادی۔''

فاتح البتہ بے نیازی سے بیٹھا تنکے توڑتا رہا۔پھر گردن اٹھا کے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کے اسے دیکھا اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔''تالیہ! کیسی ہو؟''

انداز گستاخانہ تھا۔شہزادی نے تندہی سے گستاخ غلام کو دیکھا مگر پھر ضبط کر گئی۔

اس کو تو وہ گستاخی کی سزا ابھی نہیں دے سکتی تھی۔

''تم کہاں تھے؟ تمہیں بابا سے ملوانا ہے۔چلو میرے ساتھ۔'' وہ اسے نظر انداز کر کے ایڈم سے کہنے لگی۔

''کیا تم صرف اپنے مورخ کو ڈھونڈنے یہاں تک آئی ہو؟'' پتھر پہ بیٹھے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھ کے پوچھا تو تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں۔میں آپ کو یہ دینے آئی تھی۔'' لباس سے ایک پوٹلی نکالی اور پتھر پہ اس کے ساتھ رکھی۔اندر سے سونے کے سکوں کے کھنکنے کی آواز آئی تھی۔''یہ رقم چند دن آپ کے لئے کافی ہو گی۔آپ کسی قریبی شہر چلے جائیں۔کسی سرائے میں رک جائیں اور چند دن ہم سے بالکل دور انتظار کریں۔''

''تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟'' وہ اسی سادگی سے گردن اٹھائے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''وان فاتح۔'' وہ ضبط سے دانت جما کے بولی۔''آپ ملاکہ میں بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔ملکہ' سن باؤ' اور میرے بابا......سب آپ کے دشمن ہیں۔آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سے دور چلے جائیں۔جب ایڈم کو دوا مل جائے گی تو آپ اس کے ساتھ واپس چلے جایئے گا۔''

ایڈم نے ٹھہر کے اسے دیکھا۔''میرے ساتھ؟ اور آپ؟''

تالیہ نے گہری سانس لی اور نظریں اٹھا کے اسے دیکھا جو ایکدم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

''ایڈم......میری بات سنو۔''

''نہیں ہے تالیہ۔ ہماری یہی بات ہوئی تھی کہ ہم اکٹھے واپس جائیں گے۔آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس پلان ہے۔''

''یہی پلان ہے'ایڈم۔''

مگر ایڈم نے نفی میں سر ہلاتے دور بگھی کے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو دیکھا اور انگریزی میں بولا۔'' آپ اپنے باپ کو کون کر رہی ہیں۔یقیناً سپاہی ان کو رپورٹ کریں گے اس لئے آپ یہ تاثر دے رہی ہیں کہ....''بولتے بولتے اسے احساس ہوا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اسے خود بھی اس پہ یقین نہیں ہے۔اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔وہ اس سب کے لیے تیار نہ تھا۔

''ہے تالیہ۔آپ یہاں نہیں رہ سکتیں۔''

''یہ میرا گھر ہے'ایڈم۔ یہاں میرے باپا رہتے ہیں اور وہ مجھے ویسے ہی عزیز ہیں جیسے تمہیں تمہارے ماں باپ۔تم ان کے پاس جانا چاہتے ہو واپس اور میں اپنے باپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''مگر......آپ نے یہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟میں آپ کو کبھی یہاں نہ آنے دیتا۔''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ابھی تم میرے ساتھ چلو۔''اور ایک سنجیدہ نظر وان فاتح پہ ڈالی جو بنا تاثر کے چہرہ لئے ان دونوں کو آمنے سامنے کھڑے دیکھ رہا تھا۔

''اور آپ......آپ پلیز ہم سب سے دور رہیں۔مراد راجہ کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ آپ کہاں ہیں۔''

''یہ حکم ہے یا مشورہ؟''

''حکم ہی سمجھیے۔''وہ ضبط سے بولی تو وان فاتح نے پوٹلی اٹھا لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''جیسے آپ کا حکم'شہزادی۔''مگر گردن نہیں جھکائی۔اسے دیکھتا رہا۔وہ ماتھے پہ بل ڈالے مڑ گئی تو الجھا الجھا کھڑا ایڈم اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں اب دور کھڑی بگھی تک جاتے دکھائی دے رہے تھے اور فاتح وہیں کھڑا ان کو سوچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پوٹلی کے اندر چھپے سکے انگلیوں میں چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل کے کتب خانے کے باہر اس صبح دو پہریدار کھڑے تھے۔مراد راجہ اپنے مصاحبوں کی ہمراہی میں چلتا دروازے تک آیا تو پہریدار فوراً چوکس ہوئے۔ایک نے سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔دوسرے نے بڑھ کے دروازہ کھولا۔

مراد ہاتھ پیچھے باندھے' اکڑے کندھوں پہ شاہی قبا پہنے' سپاٹ تاثرات کے ساتھ چلتا اندر آیا۔ مصاحب باہر ٹھہر گئے۔

کتب خانے کے اندر ایڈم کرسی پہ بیٹھا تھا اور تالیہ دائیں بائیں منتظر سی ٹہل رہی تھی۔ مراد اندر آیا اور دروازہ پیچھے سے بند ہوا تو دونوں نے اسے دیکھا۔ ایڈم ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔ اور وہ سیدھی مراد کی طرف آئی۔

''بابا..... یہ آدم بن محمد ہے۔'' وہ مراد کا بازو تھامے دھیمی آواز میں تعارف کروا رہی تھی۔ ''اتنے مہینے سے آپ اس کو شاہی مورخ کے طور پہ جانتے آئے ہیں مگر دراصل ایڈم میرا دوست ہے۔ میرے ساتھ میری دنیا.....'' رکی اور تصحیح کی۔ ''یہ میرے ساتھ مستقبل کے زمانے سے آیا ہے۔''

''ہوں۔'' مراد نے چمکتی ہوئی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ وہ چپ کھڑا لب کاٹتا رہا۔

''کیا اس کو وہ زمانہ یاد ہے جو اس نے یہاں گزارا تھا۔'' چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''جی بالکل۔'' ایڈم نے فوراً جواب دیا۔ راجہ نے اسے گھورا۔

''مگر لگتا تو نہیں کہ تمہیں شاہی آداب یاد ہیں۔''

ایڈم بن محمد نے ہڑبڑا کے سر جھکایا۔ ''راجہ!'' اور پھر گردن واپس اٹھائی۔ وہ تالیہ کی باتوں پہ ایسا الجھا تھا کہ اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ 2017 کے جنوری سے واپس آیا تھا اور یہاں وہ کوئی سلیبریٹی رپورٹر نہ تھا۔ اسے بات بات پہ ان دنیاوی خداؤں کے سامنے سر جھکانا تھا۔

''ہوں۔ مسئلہ کیا ہے؟'' مراد راجہ عام سے انداز میں کہتا میز تک آیا اور اس کے کونے پہ بیٹھا' پھر ایک گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پوری توجہ سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے وہ پانی نہیں پیا تھا۔'' تالیہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی اور بتانے لگی۔ ''جس کی وجہ سے یہ ایک عجیب و غریب بیماری کا شکار ہو چکا ہے۔ بظاہر سرطان جیسی یہ بیماری ہمارے زمانے میں ناقابلِ علاج ہے اور اس کا حل ذوالکفلی کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن.....'' وہ کھنکھاری۔ ''میں نے پڑھا تھا کہ وقت کے اس مرض کا علاج تاریخ میں صرف ایک شکار باز نے کیا تھا جو کہ آپ ہیں۔ اس لئے میں ایڈم کو آپ کے پاس لائی ہوں۔ آپ اسے اس کی دوا دیں تا کہ یہ رخصت ہو سکے۔''

ایڈم صرف اپنے رخصت ہونے کی بات پہ زخمی نظروں سے تالیہ کو دیکھا مگر مراد کی موجودگی کے باعث چپ کر کے رہ گیا۔ وہ بھی نگاہ چرا کے رہ گئی۔

''تم نے وقت کے ساتھ دھوکہ کیا ہے' مورخ۔'' مراد راجہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے کہنے لگا۔ ''پانی کسی اور نے پیا' چابی

کسی اور نے گھمائی اور ساتھ تم آ گئے۔ وقت اپنے آپ سے دھوکہ کرنے والوں کو سزا ضرور دیتا ہے۔"

"میں "وقت" سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ جل کے زیرِ لب بولا مگر تالیہ کے گھورنے پہ چپ ہو گیا۔ پھر کھنکھارا۔ "میں نے یہ جان بوجھ کے......"

"تمہیں اس کے اثرات کب محسوس ہوئے تھے؟" راجہ نے بات کاٹی تو وہ سوچنے لگا۔

"جب میں ایک دفعہ زخمی ہو کے ہسپتال پہنچا تھا تو....."

"تمہارا خون بہا تھا؟"

"کچھ خاص نہیں مگر.....بعد میں شہزادی صاحبہ نے چاقو سے مجھے یہاں (بازو پہ ہاتھ رکھا) زخم دیا تھا جس کے باعث...."

"کتنا خون بہا تھا؟ ایک گھونٹ سے زیادہ؟" راجہ دو بدو سوال کر رہا تھا۔

"معاف کیجیئے گا۔ مجھے ماپنے کا ہوش نہ تھا مگر اتنا تو بہا ہو گا۔"

"وقت کے چکر کو دھوکہ دینے کے بعد تمہارے پاس تین مواقع تھے۔ پہلا تم نے ضائع کر دیا۔" راجہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ "کیا دوبارہ بھی تم کبھی زخمی ہوئے؟"

"جی۔ ایک دفعہ کچھ دن قبل مگر چند خراشیں آئیں صرف۔" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"چند خراشوں کی خیر ہے۔ یعنی ابھی تک تمہارا صرف ایک موقع ضائع ہوا ہے۔" راجہ حساب لگا رہا تھا۔ "وقت کے چکر سے نکل کے تمہیں صرف ایک بات کا خیال رکھنا تھا آدم بن محمد.....کہ کسی بھی صورت میں تمہارا خون نہیں بہنا چاہیے۔ پہلی دفعہ جب وہ بہا....ایک گھونٹ سے زیادہ۔ تو تمہارا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ تم بیمار ہو گئے مگر تم نے محسوس کیا ہو گا کہ تمہاری بیماری بڑھی نہیں کیونکہ تمہارے پاس ابھی دو مواقع موجود ہیں۔"

"اوہ۔ اسی لئے ایڈم کی بیماری بڑھ نہیں رہی کیونکہ یہ دوبارہ زخمی نہیں ہوا۔" وہ چونکی۔

"ہاں۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک سال کا وقت ہے۔ لیکن اس دوران اگر یہ دوسری دفعہ زخمی ہوا تو اس کی بیماری خطرناک حد تک بڑھ جائے گی۔ دوسری بار خون بہنے کے ایک ماہ کے اندر یہ مر جائے گا۔ اور اگر اس کا تیسری دفعہ خون بہہ گیا تو یہ ایک ماہ سے پہلے اسی وقت مر جائے گا جب اس کا خون بہے گا۔ اس لئے.....جب تک تمہارا علاج نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنا خون نہیں بہنے دینا۔"

ایڈم کی رنگت فق ہو چکی تھی۔ اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لئے گویا خود کو محفوظ کرنا چاہا۔ وہ کسی ویڈیو گیم کی طرح تین باریوں کا محتاج ہو چکا تھا۔ ایک باری ضائع ہو چکی تھی اور دو باقی تھیں۔

''تو اب.....اب ایڈم کی بیماری اسی طرح چلتی رہے گی؟''

''ہاں۔ یہ اسے آہستہ آہستہ کھوکھلا کر دے گی اور ایک سال تک علاج نہ ہوا تو یہ اسے مار دے گی۔'' اب کے قدرے نرمی سے تنبیہہ کی۔ ''لیکن اگر اس کا دوسری دفعہ خون نہ بہے۔ ورنہ.....''

''سمجھ گیا۔ دوسرا موقع ضائع ہونے سے میں ایک ماہ میں مر جاؤں گا۔'' وہ جل کے بولا۔

''ہوں۔'' مراد راجہ خاموش ہو گیا اور بس اسے گھورے گیا۔ تالیہ کھنکھاری۔

''مگر بابا..... ہمیں ایک برس انتظار نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دوا ہے' آپ اسے وہ دیں اور اس کو صحت مند کر دیں۔''

مراد نے گردن موڑ کے ساتھ کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ ''میرے پاس کوئی دوا نہیں ہے۔''

لمحے بھر کے لئے قدیم کتب خانے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

''مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مریض کا علاج کیا تھا۔ اور.....''

''میں نے کسی ایسے مریض کا علاج نہیں کیا۔ میں نے صرف اس مرض کے بارے میں پڑھا ہے۔''

''یعنی وہ مریض میں تھا۔'' ایڈم آہستہ سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ مریض میں ہوں گا۔ وہ کتاب بعد میں لکھی گئی ہو گی۔'' پھر اس نے اداسی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''وہ مریض زندہ رہا تھا یا مر گیا تھا؟''

''وہاں تو.....'' وہ ہکلائی۔ ''لکھا تھا کہ اسے شفا ملی تھی..... مگر.....'' اس نے مراد کو دیکھا۔ ''معلوم نہیں وہ کسی سے لکھوایا گیا تھا یا واقعی شفا ملی تھی۔''

تاریخ رقم کرنے والوں پہ اب ان دونوں کو اعتبار نہ رہا تھا۔

''مگر..... کوئی تو حل ہو گا' بابا؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وقت کے چکر میں ایک دفعہ پھر سے پھنسنے کے بعد سب کچھ بے معنی لگنے لگا تھا۔

''میرے پاس اس بیماری کے علاج کا نسخہ ہے۔''

تالیہ کا چہرہ دمک اٹھا مگر راجہ کے اگلے الفاظ نے اس پہ گھڑوں پانی ڈال دیا۔

''مگر اس نسخے میں موجود اشیائے ترکیبی ڈھونڈنا ناممکن ہیں۔ وہ کم از کم ملاکہ میں موجود نہیں ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں دنیا میں کہاں سے ملیں گی..... یہ میں نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں وہ نسخہ دے سکتا ہوں۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم اپنی دوا خود ڈھونڈو۔ تم وہ چیزیں لے آؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔ میرے ملازم اور سپاہی تمہاری مدد کریں

گے۔ مگر میرے پاس ان کی تلاش میں نکلنے کا وقت نہیں ہے۔''

ایڈم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں تلاش کرلوں گا۔ آپ مجھے نسخہ دے دیں۔''

''جی بابا۔ آدم تلاش کرلے گا اور ساتھ میں آپ کے سپاہی بھی ہماری مدد کریں گے۔ اور پھر..... ہمارے پاس ایک سال ہے۔'' اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔

مراد راجہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ گیا تو تالیہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا جو اپنے بازو کو دیکھ رہا تھا۔

''میری وجہ سے تمہارا خون بہا۔ میں وہ نہ کرتی تو.....'' وہ شدت درد سے چپ ہوگئی۔ ایڈم نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''اگر آپ کو الزام دینا ہو تو آپ کے اوپر میرے بہت سے قصور نکلتے ہیں' بے تالیہ۔ مگر نہیں..... آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

اس کے بات پہ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے دیکھا۔ ''تمہیں وقت کے چکر میں پھنسانے اور تمہارا خون ضائع کروانے کے علاوہ میرا کیا قصور؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ چہرہ موڑ کے راجہ کو دیکھنے لگا جو ایک کتاب کو کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔ پھر ایک صفحے پہ آ کے وہ رکا اور ان کی طرف آیا۔

''یہ وہ تمام اشیائے ترکیبی ہیں جو اس دوا کے لئے استعمال ہونے ہیں۔'' سنجیدگی سے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ ایڈم نے تیزی سے اسے تھاما۔ ایک صفحے پہ کوئی درجن بھر چیزیں لکھی تھیں۔

''یہ کہاں سے ملیں گی؟'' وہ تحیر سے ان کو پڑھے گیا۔ یہ بہت عجیب و غریب اشیاء تھیں۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے پاس ایک برس ہے' آدم بن محمد۔ تم ان کو ڈھونڈ لاؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔''

ایڈم نے صفحے پلٹائے۔ ''دوا بنانے کی ترکیب یہاں نہیں لکھی۔'' پھر سر اٹھا کے راجہ کو دیکھا جو اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ترکیب یہاں ہے۔'' راجہ نے انگلی سے اپنی کنپٹی پہ دستک دی۔ ''یہ دوا دراصل چند دوسرے امراض کے لئے ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اسے ایک خاص طریقے سے بنایا جائے تو تمہارے مرض کا حل مل سکتا ہے۔ ویسے بھی ایک سال کا عرصہ کافی ہے۔'' کمر پہ ہاتھ باندھے مراد راجہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تو تالیہ نے جلدی سے کتاب لی' اور اسے میز پہ رکھا۔ پھر ایک قلم دوات میں ڈبو ڈبو کے تمام اشیائے ترکیبی کو ایک خالی صفحے پہ اتارنے لگی۔

''ہم دونوں اپنے اپنے طور پہ ان کو ڈھونڈیں گے۔ تم ان کتابوں میں ان علاقوں کو تلاش کرو جہاں یہ دستیاب ہوں گی۔ اور میں پوری سلطنت میں ان کو ڈھونڈنے کے لئے سپاہی دوڑاتی ہوں۔'' اس نے اپنا نقل شدہ کاغذ اٹھایا جس کی سیاہی گیلی تھی اور اسے ہوا میں جھلایا۔ پھر ایڈم کو دیکھا اور یقین دہانی کروائی۔

''ہمارے پاس ایک سال ہے' ایڈم۔ ہمارے پیچھے وقت نہیں گزرے گا۔ تم واپس اسی لمحے میں جا سکو گے۔''

''اور آپ؟'' اس نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں خاموش کتب خانے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تاج پہنے کھڑی شہزادی نے سر جھکا دیا۔

''میں دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتی۔ میں یہاں خوش ہوں' آزاد ہوں۔ میرے بابا مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ خوش رہوں گی۔''

''آپ بندا ہارا کے اونچے محل پہ لعنت بھیج کے یہاں سے گئی تھیں' چے تالیہ۔''

''تب میں اپنے بابا کو ایک ولن سمجھتی تھی مگر اب..... اب مجھے وہ تمام ماہ و سال یاد آ گئے ہیں جو میں نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایڈم کو کس طرح سمجھائے۔ ''وہ میرے بابا ہیں۔ ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے۔ وہ برے انسان نہیں ہیں۔ ہمارے درمیان صرف وقت حائل ہو گیا تھا۔ اور اب.....'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ ''وہ مجھے واپس مل گئے ہیں۔ دیکھو..... وہ بنا کسی شرط' بنا کسی بدلے کے تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور میرے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اور وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔''

ایڈم نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔ فی الحال اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ تھا۔

وہ چلی گئی تو وہ کتب خانے کی ایک کھڑکی کے ساتھ آ بیٹھا اور میز پہ کہنیاں رکھ کے وہ کتاب پڑھنے لگا۔ ایک سال..... ایک سال میں تو دنیا بدل سکتی تھی۔ یہ عجیب و غریب اشیا' ترکیبیں بھی اس کو مل سکتے تھے۔ وہ خود کو امید دلانے لگا۔

ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

''شاہی مورخ..... شہزادی تاشہ نے آپ کو محل میں بلوایا ہے۔ شاہی طبیب آپ کے معائینے کے لئے آ چکا ہے۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔ کتاب رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ محل میں شاہی مہمان کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔

کتب خانے سے محل تک جاتے ہوئے وہ ایک ایک جھاڑی' ایک ایک کانٹے سے بچ کے گزر رہا تھا۔ اسے ایک سال تک اپنا خون نہیں بہنے دینا تھا۔ ایک قطرہ بھی نہیں۔

محل کے اندر جس کمرے میں شاہی طبیب اس کا منتظر تھا وہ ایک خالی دیوان خانہ تھا جس میں چند مسہریاں بچھی تھیں اور وسط

میں فرشی نشست تھی۔ ایڈم اندر داخل ہوا تو دیکھا.....فرشی نشست پہ ایک طبیب دو زانو بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے طشت میں آلاتِ جراحی' دھاگے اور چند دوائیاں بھی تھیں۔

''آؤ' آدم!'' آواز پہ وہ چونکا۔ کھڑکی کے ساتھ مراد راجہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔

''شہزادی تاشہ؟''

''وہ اس دوا کی نقول تیار کر کے مختلف شہروں میں قاصد بھیجنے میں لگی ہے۔ تب تک طبیب تمہارا زخم بھر دے گا۔'' مراد راجہ چھوٹے قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔

''مگر میرا زخم تو عرصہ ہوا بھر چکا ہے۔''

راجہ اس کے عین مقابل آ کے رکا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو اگلے ایک سال تک اس محل میں کیا ہو گا؟ شہزادی تاشہ دن رات تمہاری دوا ڈھونڈنے میں لگی رہے گی۔ پورا ایک سال وہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں دے گی اور یہ میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

ایڈم کو یکدم احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ مڑتا' پیچھے کھڑے سپاہی نے ایک نوکدار خنجر اس کے پہلو میں گھسا دیا تھا۔ درد کی ناقابلِ برداشت لہر جسم میں اٹھی۔ وہ کراہ بھی نہ سکا اور زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔

سپاہی نے کھینچ کے خنجر نکال لیا۔ خون بھل بھل گرنے لگا۔ وہ گرتے گرتے اٹھنے لگا' اس سپاہی پہ جوابی حملہ کرنے کے لئے.....مگر فرش پہ گرتے خون کو دیکھ کے.....اس کے ہاتھ پیچھے کو بڑھے۔ اس نے اپنے زخم کو ڈھانکنا چاہا۔ خون بہنے سے روکنا چاہا.....مگر ہاتھ رنگین ہوتے گئے.....سرخ پانی سا فرش پہ ندی کی طرح بہتا گیا.....وہ ایک گھونٹ سے کہیں زیادہ تھا.....

ایڈم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ خنجر پہ کوئی دوا بھی لگی تھی۔ جس سے وہ غنودگی میں جا رہا تھا۔ بمشکل اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ مراد راجہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''ایک سال تک میں تمہارے لئے اپنی بیٹی کو مصروف رکھوں؟ تم.....آدم.....تم اس کا دوسری دنیا سے واحد تعلق ہو۔ جب تک تم نہیں جاؤ گے.....وہ کبھی مجھے واپس نہیں ملے گی۔ اس لئے میں تمہیں ایک سال تک برداشت نہیں کر سکتا۔'' پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایڈم زمین پہ گرا تھا۔ اس کا چہرہ راجہ کے جوتوں کے قریب تھا۔ اس نے بند ہوتی آنکھیں بدقت کھول کے اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اب تمہارے پاس ایک ماہ ہے۔ اپنی دوا تلاش کرو اور میری دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر

طبیب کو اشارہ کیا۔

''اس کا زخم بھر دو....اور جب یہ ہوش میں آجائے تو اس کو اچھا کھانے پینے کے لئے دو۔اس کی دن رات حفاظت اور خدمت کرو کیونکہ آج کے بعد اسے اس کی ضرورت پڑے گی۔''

راجہ کے قدم اب دور جا رہے تھے۔ایڈم بن محمد کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں ایک آنسو دائیں آنکھ سے نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

اندھیرے میں ڈوبنے سے پہلے اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اس نے اس قدیم دنیا میں واپس آکے بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کا اونچا محل سورج کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔وسیع سبزہ زار کے آگے پھاٹک لگا تھا جو باہر والوں کو محل آنے سے روکنے کا سبب تھا۔پھاٹک کے آگے بل کھاتی سڑک تھی جو پہاڑی سے نیچے لے جاتی تھی۔مراد راجہ گھوڑے پہ سوار اس وقت پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔سرخ پٹی ماتھے پہ باندھے' دھوپ کے باعث آنکھیں سکوڑے' وہ گھوڑے کو سڑک پہ ڈال رہا تھا۔ مصاحب اور مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پہ اس کے عقب میں محل سے باہر نکل رہے تھے۔

یہ مراد کا روزانہ کا پروٹوکول لشکر تھا جس کے ساتھ وہ سلطنت محل جایا کرتا تھا۔آج بھی وہ ہر روز کی طرح محل سے نکلا تھا اور ابھی سڑک کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ ایک دم اس نے لگام کھینچی۔آنکھوں میں طیش ابھرا اور لب بھنچ گئے۔

ایک گھڑسوار جانے کہاں سے آیا اور سڑک کے بیچ میں گھوڑا روک لیا۔

اس کا گھوڑا سیاہ تھا۔چمکدار سیاہ۔اور اس پہ بیٹھے آدمی کی پوشاک نفیس اور قیمتی تھی۔اس نے سفید کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور گیلے بال دائیں طرف جما رکھے تھے۔جوتا سنہرا اور کامدار تھا۔غرض اپنے لباس اور سواری سے وہ کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔اس لئے سپاہیوں نے رک جانا مناسب سمجھا اور تذبذب سے اپنے راجہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ سرخی نمودار ہوئی تھی۔

(غلام فاتح!) بنا لب ہلائے مراد نے غصیلی نظروں سے توارد کو دیکھا تھا۔اس کے دستے نے غالباً ابھی تک اسے پہچانا نہیں تھا۔

گھڑسوار مسکرایا اور لگام کو حرکت دی۔گھوڑا دھیرے دھیرے ٹاپ اٹھاتا راجہ کے دائیں ہاتھ آکھڑا ہوا یوں کہ دونوں گھوڑوں کے چہرے ایک دوسرے سے ٹکرانے والے تھے۔

''آداب' راجہ!'' فاتح نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ نہ گردن جھکائی نہ نظر۔

مراد کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ کھلی فضا میں وہ دونوں پہاڑی کی بل کھاتی سڑک پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

''میں اپنے ملاکہ کی خبر لینے واپس آیا ہوں' راجہ۔'' فاتح نے مسکرا کے کہتے ہوئے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔ دور پہاڑی سے نیچے سمندر کے بہتے پانیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

''تو کیسا پایا تم نے میرے ملاکہ کو؟'' راجہ طنز سے گویا ہوا۔ باغی ہوا اس کے لمبے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

''میرا ملاکہ اس سے برے حال میں ہے جس میں' میں اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ غلام آزاد ہو گئے مگر ایک دفعہ پھر قید کر لئے گئے۔ امراء اور رؤسا اسی طرح سونے کی ڈھیر جمع کر رہے ہیں اور سلطان اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہے۔''

مراد نے لگام کو حرکت دی۔ گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا یہاں تک کہ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کے پہلو میں ہو گئے۔ اب وہ فاتح کے زیادہ قریب تھا۔ دائیں طرف چہرہ موڑ کے تندہی سے اسے گھورا۔

''میں تمہاری ہمت پہ حیران ہوں' غلام فاتح۔ تم اس سب کے بعد میرے پاس یوں اس چہرے کے ساتھ آ گئے؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟'' وہ اب کے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ پیچھے کھڑے سپاہیوں کے دستے میں لہر سی دوڑی۔ محافظ چوکنے ہوئے۔ تلواروں پہ ہاتھ رکھ لئے' جیسے راجہ کے ایک حکم پہ نوار دپہ حملے کے لئے تیار ہوں۔

''ظاہر ہے میں آپ کو جانتا ہوں' راجہ۔ میں چند دن پہلے تک آپ کی قید میں تھا اور بہت مشکل سے شہزادی تاشہ نے مجھے چھڑوایا تھا۔ اس کے بعد مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ آپ سے دور بھاگنا چاہیے تھا لیکن.....''

اس نے گہری سانس لی۔ مسکراہٹ ایک پل بھی اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بغیر تلوار یا ڈھال کے نہتا' سر اٹھائے ان کے درمیان کھڑا تھا۔

''لیکن؟''

''لیکن میں وہ جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے۔'' اس نے سر آگے کیا اور آہستہ سے گویا ہوا۔ ''میرے زمانے میں ایک ایسی کتاب وجود رکھتی ہے جس میں آپ سب کا **مستقبل** درج ہے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورتا رہا۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا' راجہ۔ کہ میں آپ کے مستقبل کے بارے میں جانتا ہوں۔ کیونکہ میں نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کے آخری تین ابواب میں آپ کا مستقبل درج ہے۔''

''اور تم مجھے یہاں میرے مستقبل سے ڈرانے آئے ہو؟'' کہتے ہوئے مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔انہوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور ادب سے دور ہٹتے گئے یہاں تک کہ مراد اور فاتح اپنے گھوڑوں پہ تنہا رہ گئے۔

''تم نے مجھے کہا تھا' غلام فاتح' کہ میری بیٹی ایک بحری سفر پہ جائے گی اور واپس نہیں آئے گی۔ایک المناک انجام۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔''اور میرے بارے میں تم نے کہا تھا کہ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے.....'' وہ رکا۔

''لوگوں کے سامنے کیا؟''

''تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی لیکن شاید تم مجھے میری موت کے بارے میں بتا رہے تھے۔میں دراصل تمہاری کہانی کا وہ ظالم کردار ہوں جس کا انجام یقیناً المناک لکھا گیا ہوگا کیونکہ مجھے اپنے اعمال سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔''تو بتاؤ.....کیا لکھا تھا میرے انجام میں؟ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے کیا کیا جائے گا؟ پھانسی ؟زندہ درگور؟ یا سنگسار؟''

''جی راجہ۔آپ نے میری بات اس دن مکمل نہیں ہونے دی تھی' اس لئے میں آج اس کو مکمل کرتا ہوں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لے کر کہا۔''آپ کو بھرے چوک میں سب لوگوں کے سامنے.....تاج پہنایا جائے گا۔آپ ملاکہ کے سلطان بن جائیں گے' مراد راجہ۔''

سمندر کا شور تھم گیا۔ساری فضا رک گئی۔مراد راجہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''تم.....جھوٹ کہہ رہے ہو۔تم نے کہا تھا کہ منصور شاہ اگلا حکمران ہوگا کیونکہ گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کریں گے اور...''

''جی۔سلطان کے بیٹوں نے آپ کے ساتھ مل کے بغاوت کی تھی اور منصور شاہ کو حکمران بنایا تھا مگر وہ زیادہ عرصہ تخت نہیں سنبھال سکا تھا۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کہا تھا' اس کے بعد تین چار حکمران بدلے تھے لیکن بنداہارا ایک ہی رہا تھا۔پدوکا راجہ۔آپ نے میری اس بات سے فرض کر لیا کہ چونکہ آپ بنداہارا نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے آپ مر چکے ہوں گے۔لیکن سچ یہ ہے کہ...''

''کہ منصور شاہ کو تخت سے ہٹانے کے بعد میں اگلا سلطان بنوں گا؟ اور پدوکا راجہ دراصل میرا بنداہارا ہوگا؟'' مراد ششدر رہ گیا تھا۔

''جی راجہ۔ایسا ہی ہوگا۔وان فاتح جھوٹ نہیں بولتا۔اس کتاب کے آخری تین ابواب میں آپ کا مقدر بدل گیا تھا۔اس

کے مطابق شہزادی تاشہ سلطان مرسل سے شادی کے لئے تیار ہوگئی تھی مگر اس نے چند شرائط رکھی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مرادراجہ نے چند عظیم کام کیے تھے اور بالآخر وہ سلطان بن گیا تھا۔ مرادراجہ کو تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد رکھا جاتا ہے۔ پچھے سو سال بعد بھی ہمارے مدارس میں بچوں کو مرادراجہ کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے کہ وہ بھلے ایک چالاک اور زیرک بندا ہارا تھا' مگر اس نے خود کو بدلا تھا۔ اچھے کام کیے تھے اور عوام کو ایک نالائق حکمران سے نجات دی تھی۔''

مرادراجہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

''یہ اس کتاب کے آخری ابواب میں درج ہے۔''

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اسی لئے تالیہ کو اس بات پہ یقین نہیں ہے کہ آخری ابواب سچے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ سچ نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ وہ اچھے کام نہیں کر سکتے جو وہاں لکھے ہیں....''

وہ چونکا۔ ''تو تمہیں کیسے معلوم کہ وہ سچے ہیں؟ کیا معلوم وہ سب واقعی میں نے لکھوایا ہو؟''

''کیونکہ ان میں لکھا ہے کہ مرادراجہ کی قسمت اس دن بدلی جس دن محل سے نکلتے ہوئے ایک سیاہ چمکدار گھوڑے پہ بیٹھے آدمی نے اس کا راستہ روکا اور اسے کہا کہ وہ اسے سلطان بنا سکتا ہے۔'' فاتح مسکرا کے بتا رہا تھا۔ ''آج میں جب اپنے لئے سواری خریدنے گیا اور یہ گھوڑا خریدا تو مجھے وہ سطور یاد نہیں تھیں مگر جب میں اس سڑک تک آیا تو میں نے آپ کو محل سے نکلتے دیکھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ آدمی میں تھا۔''

مرادابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور تمہاری کتاب میں اس آدمی کا نام کیا درج ہے؟''

فاتح زخمی سا مسکرایا۔ ''اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔ اس کو محل والے صرف ایک لقب سے پکارتے تھے کیونکہ اس نے مرادراجہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے سلطان بنوا سکتا ہے۔''

''کیسا لقب؟''

''سلطان ساز۔''

سمندر کے پانیوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا۔ کسی درخت سے پرندے چھم سے اڑے اور ان کی چیخیں ساری فضا میں گونج اٹھیں۔

مرادراجہ ابھی تک عجیب نظروں سے سیاہ گھوڑے پہ بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم ہو کہ تم یہ سب سچ کہہ رہے ہو یا یہ تمہاری کوئی چال ہے؟''

''کیا آپ کو میری پیشانی کسی کاذب کی پیشانی لگتی ہے؟''

مراد چپ رہ گیا۔ پھر پتلیاں سکوڑ کے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟ اور تم..... تم مجھے سلطان بنادو گے؟''

یہ وہ خیال..... وہ خواہش تھی جو مراد راجہ تنہائی میں خود سے کہنے سے بھی ڈرتا تھا۔

''ہاں۔ صرف مجھے معلوم ہے کہ آپ سلطان کیسے بنیں گے۔''

''وہ کتاب تو تالیہ نے بھی پڑھ رکھی ہوگی۔ اور اس مورخ نے بھی۔ پھر مجھے تمہاری کیا ضررت؟''

''بجا فرمایا آپ نے لیکن اس کتاب میں صرف یہ لکھا ہے کہ آپ سلطان بنے تھے۔ یہ نہیں لکھا کہ کیسے بنے تھے۔ جب میں تالیہ اور مورخ کو لے کر یہاں سے چلا گیا تھا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ واپس آئے کیونکہ مجھے ڈر تھا کتاب سچی نہ ہو جائے۔ لیکن کتاب سچی تھی۔ اور کل رات یہاں آ کے..... سب کچھ دیکھنے کے بعد میں جان گیا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا ہوگا۔ میرے پاس آپ کو سلطان بنانے کا منصوبہ بھی ہے۔ اگر آپ میری مدد لینا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔ البتہ ایک بات میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''وہ کیا؟''

''اس کتاب میں درج تھا کہ سلطان ساز کے پاس مراد راجہ کو بادشاہ بنانے کے لیے وقت کی ایک محدود مدت تھی۔''

''محدود مدت؟''

''جی ہاں۔ کتاب کے مطابق سلطان ساز بار بار یہ بات دہراتا تھا کہ اس کے پاس مراد راجہ کو سلطان بنانے کے لئے صرف ایک ماہ ہے۔ اور شہزادی تاشہ نے مرسل شاہ سے شرائط پوری کرنے کے لئے بھی ایک ماہ کا وقت دیا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ ایک ماہ بعد کچھ ہونا تھا جس کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔''

مراد کا سانس بالکل تھم گیا۔ اس نے دھیرے سے نظر جھکائی اور اپنے آستین کو دیکھا۔ اس پہ ایڈم کے خون کی چھینٹ سے لگا دھبہ لگا دکھائی دے رہا تھا۔ بس ایک لمحے میں مراد کو سمجھ آ گیا کہ وہ درست کہہ رہا تھا۔

''تم چاہتے ہو کہ..... کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟ اور کیا تم بھول گئے کہ تم نے.....'' اس نے دانت پیسے جیسے بہت کچھ یاد آیا ہو۔ ''تم نے میری بیٹی سے نکاح کر کے میری پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا؟ میں ابھی تک اس معاملے سے نہیں سنبھلا اور تم.....'' مراد کے کان پھر سے سرخ پڑنے لگے۔

''جب سلطان' سلطان نہیں رہے گا تو آپ کو کس کا ڈر ہوگا۔'' سلطان ساز نے کندھے اچکائے تو مراد لمحے بھر کو چپ رہ

گیا۔

''تم یہ سب کس لئے کرر ہے ہو؟ میری بیٹی کے قریب رہنے کے لئے؟''

''نہ صرف اس لئے بلکہ اس کو واپس اس کی دنیا میں لے جانے کے لئے۔''

مراد نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ تم اپنے منہ سے اعتراف کرلو گے کہ تم یہ سب اس کو واپس لے جانے کے لئے کرر ہے ہو۔''

''کیونکہ میں نے کہا نا' میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر میں آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا تو اس بات کا اعتراف نہ کرتا۔ بلکہ آپ کو یقین دلاتا کہ میں اسے واپس نہیں لے جانا چاہتا۔''

''میں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ تم میری بیٹی کو مجھ سے چھیننے آئے ہو' تمہیں اپنے دربار میں جگہ کیسے دے سکتا ہوں؟''

''کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگ ایک محاورہ بولتے ہیں' راجہ۔ دوست کو قریب رکھو اور دشمن کو قریب تر۔''

آمنے سامنے گھوڑوں پہ سوار وہ دونوں مرد چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔ پھر وان فاتح کہنے لگا۔

''شہزادی کسی بھی طرح سلطان سے شادی نہیں کر سکتی۔ بالفرض وہ راضی ہو جائے' تب بھی.... اگر سلطان کو علم ہوا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے تو وہ آپ سب کی گردن مروا دے گا۔ اس لئے ہم سب کی بقا اسی میں ہے کہ ہم اسے سلطان نہ رہنے دیں۔ آپ مجھے اپنے دربار میں جگہ دے کر کبھی نہیں پچھتائیں گے' راجہ۔''

مراد راجہ نے گہری سانس لی اور گھوڑے کا رخ موڑا۔ پھر بلند آواز میں اپنے سپاہیوں کو آواز دی۔

''یہ شخص آج سے میرا مشیر ہے۔ محل میں نہ صرف اس کی رہائش کا انتظام کیا جائے بلکہ اس کے لئے لباس اور دوسری اشیائے ضرورت کا بندوبست بھی کیا جائے۔ یہ ایک دوسرے ملک سے آیا ہے اور اس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔'' سپاہیوں نے گردنیں تسلیم خم کیں۔ دو سپاہی فوراً محل کی طرف دوڑے۔ مراد مسکرا کے واپس اس کی طرف گھوما۔

''ہم سلطان مرسل شاہ کے محل کی طرف جا رہے ہیں۔ دربار کا آغاز ہونے والا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا چاہیے۔''

اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ ''راجہ!'' اور اپنا گھوڑا موڑ لیا۔

اب وہ مراد کے گھوڑے کی معیت میں پہاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔

قدیم ملاکہ پہ نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

شاہی کتب خانہ اس صبح خاموش پڑا تھا جب شہزادی تاشہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے گلابی گھیر دار لباس پہن رکھا تھا اور

چھوٹے سیاہ بالوں پہ دمکتا ہوا تاج سجا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کاغذات کے پلندے اٹھا رکھے تھے اور چہرے پہ دبا دبا سا جوش تھا۔ پیچھے چلتی کنیزوں نے بار بار کاغذ اٹھانے کی پیشکش کی مگر وہ اتنی پرجوش تھی کہ انکار کیے گئی۔ کتب خانے کے دروازے پہ اس نے کنیزوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دربان نے دروازے کھولے تو اس نے فوراً پوچھا۔

''آدم کہاں ہے؟''

''وہ آرام کر رہا ہے۔''

''ابھی تک؟'' اسے حیرت ہوئی۔ دن چڑھ آیا تھا اور ایڈم تو صبح جلدی اٹھنے والوں میں سے تھا۔ خیر.....وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کتب خانہ خالی تھا۔

وہ ایک دروازے کی طرف بڑھی جو ایک آرام دہ کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں ایڈم رہتا تھا۔ اس نے دستک دی۔ جواب ندارد۔ پلندہ ایک ہاتھ سے سنبھالے تالیہ نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے بستر پہ ایڈم لیٹا تھا۔ لحاف سینے تک ڈالے اس کا سر اونچے تکیوں پہ پڑا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

''تم ابھی تک سو رہے ہو؟ اٹھو اور دیکھو مجھے کیا ملا۔''

وہ چہک کے کہتی اندر آئی اور دروازے کے قریب میز پہ کاغذات رکھے۔

''وہ تمام چیزیں جو اس دوا کے لئے چاہیے ہیں.....وہ ملاکہ اور وسطی ایشیاء سے مل سکتی ہیں۔ ان کو تلاش کرنے اور بنانے میں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کا عرصہ درکار ہے اور اگر ہم دونوں مل کے.....ان جگہوں کا سفر کریں تو ہم ایک ایک کر کے.....''

وہ بولتے بولتے رکی۔ اور دھیرے سے گردن موڑی۔ ایڈم سو نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور وہ تکیے پہ نڈھال سا پڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ مراد سناٹے میں رہ گئی۔

یہ وہ ایڈم نہیں تھا جسے وہ کل چھوڑ کے پورا دن کتابوں اور طبیبوں کے ساتھ مغز ماری کرتی رہی تھی۔ یہ اس ایڈم کی پرچھائیں تھا۔

اس کا چہرہ کمزور اور رنگت سیاہ پڑ رہی تھی۔ آنکھوں کا سفید حصہ گلابی ہو چکا تھا۔ وہ چہرے سے برسوں کا بیمار لگتا تھا۔ کسی مفلوج کی طرح بستر پہ پڑا تھا گویا لحاف اتارنے کی ہمت بھی نہ ہو۔

''ایڈم!'' وہ بے یقینی سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔ ''تم.....تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے اچانک سے؟''

ایڈم گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''مگر..... کیسے؟'' تالیہ کچھ سمجھ نہ پارہی تھی۔ ایڈم نے دھیرے سے لحاف پہلو سے اٹھایا۔ اس کی قمیض کے نیچے پٹی بندھی نظر آتی تھی جس پہ خون کے دھبے تھے۔

''یا اللہ!'' تالیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لئے۔

''یہ کیسے ہوا؟ کیا تمہارا خون بہہ گیا؟ اوہ نو ایڈم۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب لپکی۔ ''یہ تم نے کیسے ہونے دیا ایڈم؟ تم نے خیال کیوں نہیں کیا؟ یہ چوٹ کیسے آئی؟ اف..... یا اللہ!''

وہ گھٹنوں کے بل بستر کے قریب زمین پہ بیٹھتی گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ پھر اس کی خاموشی پہ سر اٹھایا تو وہ بس پژمردہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ اور سفید پپڑی زدہ لب خاموش۔

''تم..... تم اتنی بے احتیاطی کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کی اپنی آنکھوں میں بھی پانی آنے لگا۔ ''تم نے اپنا خیال کیوں نہیں رکھا؟ بابا نے کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ تم خون نہیں بہنے دو گے مگر یہ سب کیسے ہوا؟ اوہ ایڈم..... اوہ ایڈم!'' وہ دکھ اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

ایڈم چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ پھر ایک دم اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تالیہ کی طرف اس کے سر کی پشت ہوگئی۔

''میں اتنی گلٹی تھی کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ تمہارا دایاں بازو..... میں نے اس پہ زخم لگوایا تھا..... میری وجہ سے پہلی دفعہ تمہارا خون بہا تھا۔ مگر اب..... یہ کیا ہو گیا؟''

موٹے موٹے گرم آنسو اس کے چہرے پہ گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''اور مجھے کسی نے نہیں بتایا؟ یہ کب ہوا؟ کیا طبیب نے تمہیں دیکھا؟ کیا.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

بستر کی تپائی پہ دواؤں کی طشت دھری تھی۔ وہ طشت سنہری تھا اور محل کے اندر استعمال ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ایک کاغذ پہ لکھا ہدایات نامہ آویزاں تھا۔ وہ ہدایت نامہ شاہی طبیب کی مہر کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ اس نے کل شام شاہی طبیب کو محل سے نکلتے بھی دیکھا تھا۔

تالیہ کی پتھرائی ہوئی نظروں نے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرے میں جگہ جگہ پھل رکھے تھے۔ تازہ پھول۔ خشک میوے تازہ۔ لباس کے صندوق۔ نئے جوتے۔ جیسے شاہی حکم نامے پہ سارے انتظامات کروائے گئے ہوں۔ جیسے حکم دینے والے کو معلوم ہو کہ مریض اب چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔

''مراد راجہ!'' وہ مٹھیاں بھینچ کے اٹھی اور آنسو گر پڑے۔ ''یہ سب مراد راجہ نے کیا ہے' ہے نا؟ تا کہ تم.... تم جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ تا کہ اس دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹ جائے۔ بابا.... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

غصے میں بولتی اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ پھر چوکھٹ تک رکی اور پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک گردن دوسری طرف موڑے لیٹا تھا۔ اس میں جیسے اب توانائی نہ رہی تھی۔

نہ کسی کو موردِ الزام ٹھہرانے کی۔ نہ حساب کتاب لینے کی۔ وہ اتنا دکھی تھا کہ بات تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یعنی اب ہمارے پاس ایک ماہ ہے' ایڈم۔'' اس کا ذہن حساب کتاب کر رہا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ تالیہ تمہیں اس جہنم سے ایک ماہ میں نجات دلا کے رہے گی۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کو کھینچی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

''بندا ہارا کہاں ہیں؟'' کتب خانے سے نکلتے ہی ملاکہ کی شہزادی نے غرا کے بلند آواز میں پوچھا۔ دربان نے لاعلمی کا اظہار کیا' مگر اندر آتے دو سپاہی فوراً اس کی طرف بھاگے آئے۔

''وہ ابھی ابھی سلطنت محل کی طرف گئے ہیں۔ اپنے نئے مشیر کے ساتھ۔''

''میری سواری تیار کرو۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ ابھی....'' نئے مشیر والی بات اس نے نہیں سنی تھی۔ بس چلا کے بولی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی رنگت سرخ دہک رہی تھی اور سانس پھولا ہوا تھا۔ جیسے اس کا بس نہ چلتا ہو وہ سارے ملاکہ کو آگ لگا دے۔

☆☆========☆☆

بھوری لکڑی سے بنا سلطنت محل دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جگہ جگہ مسلح پہریدار حفاظت پہ مامور کھڑے تھے۔ دور دور تک سبزہ زار سے بھرے باغیچے نظر آ رہے تھے جن میں موسمی پھول اگے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ایسے ہی داخلی دروازے سے مختلف لوگ اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ وزرا' مشیران' اپنی اپنی ٹولیوں میں سر جوڑے' گفتگو کرتے گزرگاہ پہ آگے بڑھ رہے تھے۔

گھوڑے غلاموں کے حوالے کر کے..... مراد راجہ اب روش پہ پیدل چل رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور گہری سوچ چھائی تھی۔ اس سے فاصلہ رکھے چند مصاحبوں کے ساتھ فاتح چلا آ رہا تھا۔ دفعتاً ان مصاحبوں میں سے ایک آگے آیا اور راجہ کے کندھے برابر چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

''راجہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس آدمی کو مشیر کا عہدہ دے رہے ہیں؟ اس کی وجہ سے ہم مشکل میں پھنسے تھے۔ سارا سونا چلا گیا۔'' وہ عارف تھا اور شدید ناخوش لگتا تھا۔

''اگر میں اسے انکار کرتا تو یہ اپنی پیشکش لے کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔'' وہ دبا دبا سا بولا۔ ''اور اس کے پاس ایسے کاغذی ثبوت ہوں گے جو یہ سلطان کو دکھا کے مجھے اور تاشہ کو سلطان کا نافرمان ثابت کر سکتا ہے۔''

''ہم اس کو قید میں ڈال سکتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں کر سکے گا۔''

''پچھلی دفعہ بھی قید میں ڈالا تھا۔ اس کے پاس تب بھی منصوبہ تھا' اب بھی ہو گا۔ مجھے اس کی پیشکش پسند آئی ہے۔ اس کو ہمارے لئے کام کرنے دو۔'' راجہ اطمینان سے کہتا لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔

''لیکن اگر اس نے ہمیں نقصان پہنچایا تو؟''

''تو اچھا ہے۔ اگر اس نے ہمیں نقصان دینا ہے تو دور کی بجائے قریب سے پہنچائے۔ ہمیں بھی اس پہ نظر رکھنے میں آسانی رہے گی۔''

''آپ غلطی کر رہے ہیں راجہ۔''

''نہیں' عارف۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کی بات سچی ثابت ہو گی۔'' مراد کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔ عارف نے تلملا کے گردن موڑی اور فاصلے پہ پیچھے آتے اس کشادہ پیشانی والے مرد کو دیکھا جو اسے دیکھ کے مسکرایا تھا۔ کبھی یہ بوسیدہ لباس میں وانگ لی کے پیچھے غلام کی طرح چلتا ہوا محل میں داخل ہوا کرتا تھا اور آج یہ اسی محل میں....اسی دربار میں قیمتی پوشاک پہنے' بندا ہارا کے ایک مشیر کے طور پہ داخل ہو گا؟ عارف کے اندر بھانبڑ جلنے لگے۔ مگر وہ ضبط کرنے پہ مجبور تھا۔

دربار لگنے میں ابھی وقت تھا۔ مراد راجہ چوکھٹ تک پہنچ کے دوسرے امراء اور مشیران کے ساتھ محوِ گفتگو ہو گیا۔ فاتح فاصلے پہ کھڑا تھا اور چوکنی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب ایک سپاہی اس کے قریب آ کے کھنکھارا۔

''ملکہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا سلطنت محل میں دوبارہ قدم رکھتے ہی ملکہ کسی آدم بو کی طرح اس کی بو پا لے گی۔ مگر وہ اس لمحے کے لئے تیار تھا۔

سپاہی اسے پائیں باغ تک لے آیا اور واپس مڑ گیا۔ سامنے پھولوں کی باڑ تھی جہاں ملکہ یان سو فو اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کا لمبا زرق برق لباس پہن رکھا تھا اور بالوں کے جوڑے میں سونے کی ہیئر پن اڑا رکھی تھی۔ سر پہ تاج بھی سجا تھا۔

فاتح گھاس پہ قدم رکھتا اس کے عین عقب میں آ کھڑا ہوا۔

''مجھے ایک کنیز نے بتایا کہ تم مراد راجہ کے ساتھ آئے ہو تو مجھے یقین نہیں آیا۔ وانگ لی نے بھی یہی بتایا تو مجھے گمان گزرا

کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ آخر تم میں اتنی ہمت کیسے ہو سکتی ہے کہ مجھ سے.....'' وہ چبا چبا کے کہتی مڑی اور غصے سے اسے دیکھا۔ ''مجھ سے دھوکہ کر کے.....مراد راجہ کو تباہ کرنے کے وعدے سے مکر کے....تاشہ کو دور لے جانے کا معاہدہ کر کے....تم تین دن بعد واپس آ کھڑے ہو گے؟ واہ غلام فاتح۔ واہ۔'' ملکہ نے طنز سے تالی بجائی۔ وہ سپاٹ چہرے سے اسے دیکھتا رہا۔ بولا کچھ نہیں۔

''میں نے تمہارا نکاح کروایا تھا شہزادی سے۔ اس لئے تاکہ تم اسے لے کر دور چلے جاؤ۔ مگر تم اسی دربار میں جا رہے ہو جہاں مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہے۔ جانتے ہو تمہارے نکاح نامے کی تیسری نقل میرے پاس ہے؟'' وہ شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے غرائی۔ ''اگر ابھی میں نے وہ نقل سلطان کے سامنے رکھ دی تو کیا تم اپنی گردن سلامت لئے آج کی تاریخ میں اس محل سے باہر جا سکو گے؟''

''جب میں اپنی دنیا سے یہاں آیا تھا ملکہ عالیہ تو تاشہ ایک بات جانتی تھی۔ کہ کسی نے اس کے گاؤں کو جلا دیا تھا۔ چن چن کے جادوگر مارے گئے تھے۔'' وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا۔ ''اور یہ سب کرنے والی چینی شہزادی تھی جس نے سلطان کا دل صرف اس ایک وجہ سے جیتا تھا۔ مرسل شاہ اور اس کے آباؤ اجداد نے جادوگروں کے خلاف سخت قوانین بنائے تھے۔ جادوگروں سے ایک لمبی جنگ لڑی تھی انہوں نے۔ اسی لئے مراد راجہ کو جادو کے شبے میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ مگر مراد راجہ کو واپس آنے کی یہی صورت ملی کہ وہ جادوگروں کے خلاف غداری کرے اور آپ کے پاس سلطان کا دل جیتنے کا ایک ہی حربہ تھا کہ آپ جادوگروں کے خلاف کارروائی کریں۔ مگر کیا سلطان یہ جانتا ہے کہ آپ خود جادوگرنی ہیں۔ اگر میں اسے یہ بتا دوں تو کیا آپ اپنی گردن کے ساتھ اس باغیچے میں گھوم سکیں گی؟''

یان سوفو کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ وہ پھنکاری۔

''میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتی۔''

''اس نکاح نامے کی دوسری نقل سے بھی نہیں ڈرتیں آپ جو میرے پاس ہے؟ اگر میں قاضی اور گواہوں کو سلطان کے محل میں لے جاؤں اور وہ یہ کہیں کہ انعام کا لالچ دے کر یہ سب آپ نے کروایا تھا تو وانگ لی یا آپ کی صفائیوں کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ آپ بھول جاتی ہیں کہ آپ چینی ہیں۔ ملئے نہیں۔ آپ ہمیشہ 'غیر' رہیں گی۔''

''تم!'' اس نے مٹھی بھینچی۔ ''میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور تم.....''

''میں کل جب آپ کی دنیا میں واپس آیا تھا تو مجھے ایک بات معلوم تھی۔ اور میرے ہر قدم کے پیچھے وہی ایک بات کارفرما رہے گی۔'' وہ چند قدم قریب آیا۔ ملکہ کے اتنے قریب کہ یان سوفو کو اس کے پیچھے سورج نظر آنا بند ہو گیا۔

''وہ یہ کہ تم نے..... یان سوفو.... تم نے میری زندگی کو وہ نقصان پہنچائے ہیں جو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا تھا۔'' وہ اس کے قریب چہرہ کیے اتنے سرد لہجے میں پھنکارا کہ یان سوفو ساکت رہ گئی۔

''تمہارے جادو نے مجھے وہ بات بتائی جو مجھے معلوم نہ ہونا بہتر تھی۔ اس بات نے تمہاری دنیا سے میری دنیا تک میرا پیچھا کیا۔ اس ایک بات کو نہ بھلانے کے لئے میں نے تاشہ کی زندگی کو خود سے باندھ دیا۔ میرے بچوں کی ماں نے خودکشی کر لی۔ میرے ہاتھ سے میری کرسی چلی گئی۔ یہ سب تمہارے اس ایک راز کو کھولنے سے ہوا جس کو کھولنے کا حق تمہیں نہ تھا' یان سوفو۔ جو راز قدرت نے ڈھانک دیے ہوں' انسانوں کو انہیں فاش نہیں کرنا چاہیے ورنہ بہت سی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔ تم ملاکہ کی وہ جادوگرنی' وہ بلا ہو یان سوفو' جس کے راز فاش کرنا اب میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں یہ فیصلہ کر کے واپس آیا تھا کہ میرا ہر عمل تمہارے خلاف ہوگا۔ میرا ہر قدم تمہاری تباہی کے لئے اٹھے گا۔''

''تم!'' یان سوفو نے بپھر کے اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا مگر دان فاتح نے سختی سے اس کی کلائی دبوچی اور اسے نیچے جھٹکا دیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کے بولا۔

''تم شہزادی تاشہ سے دور رہو گی۔ تم اس کو نقصان پہنچانے کا سوچو گی بھی نہیں' یان سوفو۔ مگر مجھے معلوم ہے تم اپنی فطرت سے باز نہیں آؤ گی اس لئے یاد رکھنا.....'' جھٹکے سے اس کی کلائی نیچے جھٹکی۔ ''میں تمہیں تباہ کیے بغیر ملاکہ سے نہیں جاؤں گا۔ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں' یان سوفو۔ تمہارے ہر قدم پہ میری نظر ہے۔ تمہیں میرے سائے سے بھی دور بھاگنا چاہیے۔''

یان سوفو کے گال سرخ دہک رہے تھے مگر وہ ساکت ہو چکی تھی۔ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ پا رہی تھی۔ وہ ایک نگاہ غلط اس پہ ڈال کے مڑ گیا اور یان سوفو نے زور سے پیر پٹخا۔

اس نے مداخلت یا سن گوئیوں سے بچنے کے لئے غلاموں اور کنیزوں کو باغیچے سے دور رکھ کے غلطی کی تھی۔

☆☆=========☆☆

دربار معمول کے انداز میں سجا تھا۔ دونوں طرف کرسیوں کی قطاریں لگی تھی۔ درمیان میں قالین سے مزین گزرگاہ تھی جس کا اختتام تین زینوں پہ ہوتا تھا۔ زینوں کے اوپر سنہری چبوترہ تھا جس پہ تخت بچھا تھا۔ تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور اس کے پیچھے محافظ پنکھ لئے کھڑے تھے۔

سنہری تاروں والی قبا پہنے' سر پہ ہیروں سے مرصع پگڑی نما تاج سجائے' وہ نوجوان سلطان ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' کافی پھیل کے تخت پہ براجمان تھا۔ شاہی آداب کے مطابق انسان اپنی نشست پہ جتنی جگہ گھیرتا ہے' اتنا طاقتور اور رعب دار نظر آتا

ہے۔اس لیے وہ ایسے ہی بیٹھا کرتا تھا۔ ہرے پہ زمانے بھر کا غرور اور بے پرواہی تھی۔

بائیں ہاتھ کی قطار میں پہلی کرسی مراد راجہ کی تھی۔ مراد اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا ایک کاغذ سے کچھ پڑھ کے سنا رہا تھا۔اس کے عقب میں وان فاتح کھڑا تھا۔اس کے کندھوں پہ سیاہ قبا تھی اور وہ ہاتھ نیچے کر کے باندھے' خاموشی سے مراد کو کارروائی میں حصہ لیتے دیکھ رہا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا کہ سامنے والی قطار میں بیٹھا سن باؤ اپنی چھوٹی چینی آنکھوں سے اسے گھورے جا رہا ہے۔

''مراد راجہ۔ضابطے کی کارروائی چھوڑو۔میرے سوال کا جواب دو۔''نوجوان سلطان نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی اور انگلی اٹھا کے سوال پوچھا۔''کیا یہ درست ہے کہ چند روز قبل تم نے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا تھا اور دوسرے رؤساء کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے غلام آزاد کردیں۔''

مراد رک گیا۔ پہلے اس نے آنکھیں پھیر کے وانگ لی کو دیکھا جو ہلکا سا مسکرایا۔ پھر ابوالخیر پہ نظر پڑی۔اس کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ تھی۔ یعنی اس کی چغلی کھانے میں وہ دونوں پیش پیش تھے۔مراد کو ایک دم اپنا آپ بہت تنہا محسوس ہوا۔وہ کھنکھارا۔

''میرے آقا... یہ غلام شدید کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے اور....''

''اور ہمارے علم میں یہ بھی لایا گیا ہے کہ غلاموں کے جانے سے اہم عہدوں پہ مامور ہمارے امراء اور وزراء کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔''مرسل شاہ تندہی سے اسے گھور رہا تھا۔

''میرے آقا....ان غلاموں کو اگر آزاد نہ کیا جاتا تو.....''

''کیا یہ درست ہے مراد راجہ کے آپ اپنے محل کے سامنے اکٹھے ہونے والے چند لوگوں کے دباؤ میں آ گئے اور ہار مان لی؟''

مرسل شاہ کی برہم آواز نے سارے میں سناٹا طاری کر دیا۔

''مراد راجہ.....آپ کے اس قدم کی وجہ سے....جس کے لئے آپ نے ہم سے اجازت طلب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھی....کتنے کاموں کو نقصان پہنچایا ہے' آپ کو اندازہ ہے؟وزیر خزانہ اپنے کام مکمل نہیں کر سکے۔چینی سفیر جو چین سے قرضے کی رقم لانے والے جہاز کی نگرانی کر رہے تھے'ان کے پاس اس خزانے کی حفاظت کے لئے ضروری افراد نہیں ہیں۔غرض خدمتگاروں کو آزاد کر دینے سے ہر کام متاثر ہو رہا ہے۔''

اس بات کو چار روز گزر چکے تھے مگر مرسل شاہ کو صبح صبح ملکہ' سن باؤ اور ابوالخیر نے الگ الگ یہ خبر پہنچائی تھی۔تالیہ'ایڈم اور

فاتح "چار" روز پہلے جس طرح قدیم ملاکہ سے نکلے تھے' اس نے مراد راجہ کو شدید مشکلات میں پھنسا دیا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے جو اپنی جگہ پہ کھڑا اپنا جواب سوچ اور تول رہا تھا۔

"میرے آقا.... میں جانتا ہوں کہ....."

"یہ آپ کی شادی کے لئے کیا گیا ہے' آقا۔"

مراد راجہ پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے غصے سے گردن موڑی اور اپنے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جس کے کندھوں پہ سیاہ شال تھا اور وہ اٹھی گردن کے ساتھ سلطان سے مخاطب تھا۔

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں وضاحت کروں' آقا؟" ساتھ ہی سر کو خم دیا۔ اس کے انداز میں بغاوت نہ تھی۔ نرمی تھی۔ آداب تھے۔ اخلاق تھا۔

"خاموش!" مراد نے دبی آواز میں اسے جھڑکا۔ مرسل شاہ نے چونک کے اس نئے درباری کو دیکھا' اور ماتھے پہ بل ڈالے۔ "تم کون؟ اور تم بغیر اجازت ہماری گفتگو میں کیسے مداخلت کر سکتے ہو؟"

درباری مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔ سن باؤ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ اس نے پہلو بدلا۔

"میرے آقا.... آپ کے والد نے اس دربار کے قوانین بنائے تھے جن کے مطابق وزراء کے مشیران بوقتِ ضرورت اپنی تجاویز دے سکتے ہیں۔ میں بندا ہارا کا مشیر ہوں اور آپ کے والد کے قانون کی وجہ سے بولنے کا پابند ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو....." وہ کرسیوں کے پیچھے سے نکل کے سامنے آیا' روش پہ سلطان کے سامنے کھڑا ہوا' اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ پھر گردن اٹھا کے اسی نرم مسکراہٹ سے سلطان کو دیکھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں وضاحت کر سکتا ہوں کہ غلام آپ کی شادی کے لئے کیوں آزاد کیے گئے ہیں۔"

مراد نے لب بھینچ کے پریشانی سے اسے دیکھا۔ اب وہ اسے نہیں روک سکتا تھا۔ مرسل شاہ کی پیشانی شکن آلود تھی مگر اس نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا۔ "بولو۔"

"آقا یہ حکم صرف مسلمان غلاموں کے لئے جاری کیا گیا تھا جو اغواء یا ظلم سے جبری غلام بنائے گئے تھے۔ سن باؤ وانگ لی کے پاس بندرگاہ پہ جو لوگ کام کر رہے ہیں' ان میں سے صرف سات غلام مسلمان تھے۔ وزیرِ خزانہ ابوالخیر کے غلاموں میں سے صرف نصف مسلمان تھے۔ اسی طرح باقی امراء و رؤساء کے غیر مسلم جائز غلام ان کے پاس کام کر رہے ہیں۔ اور جو مسلمان غلام آزاد کیے گئے تھے' ان کو ان سب نے دوبارہ سے یومیہ اجرت پہ ملازم رکھ لیا ہے۔ آپ کے شاہی دستے جا کے ان کی حویلیوں کا خود جائزہ لے سکتے ہیں۔ اگر ان حضرات سے امورِ سلطنت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی وجہ غلاموں کا

نہ ہونا نہیں ہے۔ ان سب کے پاس مطلوبہ افرادی قوت آج بھی موجود ہے۔"

اس کی بات پہ کسی کا سر شرمندگی سے نہ جھکا نہ کوئی جز بز ہوا۔ کیا سن باؤ اور کیا ابو الخیر' سب ڈھٹائی سے خاموشی سے سنے گئے۔ مرسل شاہ نے بھی اپنی غلطی کی تصحیح پہ بجائے اپنے امراء سے پوچھنے کے' ماتھے پہ بل ڈالے اس سیاہ قبا والے دراز قد آدمی کو دیکھا۔

"ہمارا سوال اب بھی وہیں ہے' مشیر۔ اس کا ہماری شادی سے کیا تعلق؟"

"آقا.... یہ شرط شہزادی تاشہ کی تھی۔" وہ اسی نرمی سے بتانے لگا۔ "ان کا حکم تھا کہ ان کا عروسی لباس جو سفید رنگ کا ہے' اسے صرف مسلمان کاریگر ہی بنائیں گے۔ اس لئے ہمیں ایک کثیر تعداد میں کاریگر چاہیے تھے۔"

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ماتھے کی شکنیں بھی غائب ہونے لگیں۔ اس نے ابرو اٹھایا۔

"اچھا...تو کیا وہ غلام شہزادی کا لباس تیار کرنے میں لگے ہیں؟"

"نہیں آقا۔ کیونکہ....ان غلاموں کو ان کے سابق مالکوں نے واپس یومیہ اجرت پہ رکھ لیا ہے۔ اور ان کے کاموں سے وہ اتنے تھک جاتے ہیں کہ ان میں کاریگری کی ہمت نہیں رہتی۔"

سن باؤ کے ساتھ بیٹھے مشیر نے دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ شہزادی کے لباس کی بات کہاں ہوئی تھی؟"

"یہ جیا کا غلام فاتح ہے۔ کیا تم نے نہیں پہچانا؟ اگر یہ کہے گا کہ ایسا ہے تو غلام اندھا دھند اس کی بات کی تائید بھی کر دیں گے۔" سن باؤ نے دھیمی آواز میں اسے گھر کا۔

"ہوں۔" سلطان نے پہلو بدلا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ "تو کیا ہمارے پاس کوئی شاہی کاریگر نہیں جو لباس بنا سکیں؟"

"ہیں' میرے آقا۔ اور اب وہی لباس بنائیں گے مگر اس کی وجہ سے تاخیر ہو جائے گی۔ جتنے کم کاریگر' اتنی تاخیر۔" اس کے ساتھ ہی اس نے سر جھکایا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتا واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

مرادراجہ اس دوران مختلف کیفیات کا شکار ہوا تھا۔ ان میں جھنجھلاہٹ واضح تھی۔ البتہ اب کے وہ ضبط سے کھنکھارا۔

"آقا....اگر آپ کو اس بات پہ اعتراض ہے تو ہم اس حکم نامے کو واپس لے سکتے ہیں۔ یا کوئی اور حل جو آپ کی نظر میں ہو؟"

"ہوں۔ ہم کوئی حل نکالتے ہیں۔" مرسل سب کی خود پہ مرکوز جواب طلب نظروں سے ایک دم جز بز ہوا اور قبا جھٹک کے

اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام افراد بھی تیزی سے کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اٹھی گردن کے ساتھ نیچے اترا اور روش پہ چلتا آگے بڑھتا گیا۔

مراد کے قریب وہ رکا۔ ایک نظر اس کے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جو گہری نظروں سے مرسل کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مرسل کے اندر تک اترتی تھیں۔ اس بار ان میں ادب نہ تھا۔ بلکہ چبھن تھیں۔

بظاہر کچھ قابلِ گرفت نہ تھا اور نہ وہ اس آدمی کو گرفتار کروا سکتا تھا۔ مگر کچھ غیر آرام دہ تھا اس شخص میں۔ لیکن فی الوقت.....وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

دربار برخاست ہوا تو مراد راجہ طیش سے اس کی طرف گھوما۔

''مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت نہیں تھی۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور راجہ کی طرف جھکا۔

''میں آپ کی حمایت نہیں کر رہا تھا۔ میں دربار میں سلطان اور وزراء سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ تاکہ آپ یہ جان لیں کہ مجھے توجہ گھیرنے کی عادت ہے۔ اگر آپ مجھے اپنا مشیر نہیں رکھیں گے تو ان میں سے کوئی بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ حتیٰ کہ سلطان بھی۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو وان فاتح اپنے خلاف چاہیے یا اپنے ساتھ۔'' اور سر جھکا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''راجہ!'' اور پیچھے ہٹ گیا۔

مراد راجہ لاجواب ہو کے خاموش ہو گیا۔ پھر ماتھے پہ بل لیے آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنے نئے مشیر سے ناخوش نظر آتا تھا مگر وہ اسے خود سے جدا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ عجیب دوراہے پہ پھنس گیا تھا۔ ساری الجھنوں کے سرے پہ بس ایک خیال جگمگاتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

وہ ملاکہ کا آنے والا سلطان بنے گا۔ سلطان مراد راجہ۔ اور یہ ایک خیال بہت سے کڑوے گھونٹوں کو امرت میں بدل رہا تھا۔

مراد راجہ انہی سوچوں میں گم دربار سے نکل کے باغ کے درمیان بنی روش سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے آتی تالیہ کو دیکھ کے رفتار سست ہوئی۔ گہری سانس اندر کو کھینچی۔ (تو وہ مورخ کی حالت دیکھ آئی تھی۔)

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے، لال بھبوکا چہرہ لیے چلی آ رہی تھی۔ مراد کے عین سامنے آ کے وہ رکی۔ اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ نے آدم کے ساتھ ایسا کیوں کیا، ہاں؟ کیا میں اس کو آپ کے پاس اس لئے لائی تھی کہ آپ اسے آدھا مار دیں؟''

مراد نے اتنی ہی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میرے اوپر چلانے سے پہلے یہ یاد رکھو کہ تمہاری وجہ سے میں اس وقت معتوب ٹھہرایا جارہا ہوں۔ جو تمہارے ساتھیوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد بھی اگر میں دوا کا نسخہ دے رہا ہوں تو اسے غنیمت سمجھو۔ مگر مجھ سے یہ توقع مت رکھو کہ میں ایک سال اسے اپنی دنیا میں برداشت کروں گا۔ اس سے کہو اپنی دوا ڈھونڈے اور جائے یہاں سے۔''

''آپ نے اسے کچھ کرنے کے قابل چھوڑا ہے؟'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ ''آپ نے اسے گھائل کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے بعد میں کیا کروں گی؟''

''کیا کرو گی؟ یہ مت بھولو کہ اس کی دوا کا نسخہ اب بھی صرف میرے پاس ہے۔''

مراد نے ابرو اٹھا کے ٹھہر ٹھہر کے کہا اور تالیہ چپ ہو گئی۔ ایک دم اس کے ترکش کے سارے تیر جیسے راکھ ہو گئے تھے۔ مراد جانتا تھا وہ جان جائے گی کہ ایڈم کے ساتھ یہ سب اس نے کیا ہے اور پھر بھی اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ یہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تالیہ کے پاس چپ کر جانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ دوا کا نسخہ صرف مراد کے پاس تھا اور وہ اب اس سے نہیں لڑ سکتی تھی۔

''میں بغیر کچھ مانگے تمہارے دوست کی دوا بنا دوں گا۔ ایک ماہ کے اندر اندر مجھے اجزائے ترکیبی لا دو۔ اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے مت رکھو۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کے آگے بڑھ گیا اور وہ بے بسی سے مٹھی بھینچے وہیں کھڑی رہ گئی۔

وہ جتنے غصے میں یہاں آئی تھی' اتنی ہی جلدی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ مراد کو کیا دھمکی دے سکتی تھی؟ کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی؟ مگر جواب میں وہ کیا مانگتی؟ کہ دوا بنا دو؟ وہ تو مراد پہلے ہی بنا کے دے رہا تھا۔ اس کا دیا گیا نقصان تو اب ایڈم کو پہنچ چکا تھا۔ اب وہ اپنے باپ کو برا بھلا کہے یا اس سے خفا ہو' وہ ایڈم کا کام مزید خراب کرے گی' بہتر نہیں۔ کیا وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنی بے بس ہوئی تھی؟ قدیم ملاکہ کی ان دیکھی زنجیریں اسے یہاں قدم جمانے سے پہلے ہی جکڑنے لگ گئی تھیں۔

تالیہ نے گہری گہری سانسیں اندر کو کھینچی اور خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ وہ روش پہ کھڑی تھی۔ دونوں طرف سبز گھاس کے قطعے تھے اور سامنے لکڑی سے بنے محل کی سیڑھیاں تھیں۔ دھوپ محل کی طرف سے آ رہی تھی۔ اور چند لوگ بھی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کو ماتھے پہ انگوٹھیوں والے ہاتھ سے چھجا بنایا۔

منظر واضح ہوا۔ سامنے سے آتے سپاہیوں کے ساتھ چلتا سیاہ قبا والا شخص.....اس کی مسکراہٹ۔

تالیہ مراد کی رنگت فق ہوئی۔ ہاتھ پہلو میں جا گرا۔ وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

مصاحبوں کی ٹولی قریب آ چکی تھی۔ شہزادی کو دیکھ کے سب ٹھہر گئے۔ سیاہ قبا والا شخص بھی۔ سر ذرا سا جھکا کے مسکرا کے

بولا۔

''شہزادی!''

اور شہزادی کے تو کاٹو تو بدن میں لہو نہ رہا تھا۔ منہ کھولے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پہ تیز دھوپ سیدھی پڑ رہی تھی مگر وہاں کسے پرواہ تھی؟

''یہ.....؟'' اپنے باپا کے ایک مصاحب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''یہ بندا ہارا کے نئے مشیر ہیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے تیز دھوپ میں مقابل کھڑے شخص کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس کی سیاہ قبا کو۔

پھر اس کے نیچے پہنے سفید نفیس لباس کو۔

آنکھیں واپس اٹھیں۔ اور اس کے چہرے پہ رکیں۔ پھر تالیہ نے ابرو اٹھایا اور بنا آواز کے لب ہلائے۔

''سیر ئیسلی؟''

فاتح مسکرا کے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بازو نیچے کر کے ہاتھ باہم ملا رکھے تھے اور نظریں اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لئے بھی نہ ہٹائی تھیں۔

نسوانی مجسمے میں حرکت ہوئی۔ یوں جیسے مجسمے کے سفید گالوں پہ کسی نے سرخی گھول دی ہو جو آہستہ آہستہ اس کے سارے چہرے کو سرخ کرنے لگی تھی۔

''آپ!'' وہ دانت پہ دانت جما کے بولی۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں جبکہ میں نے آپ کو سکوں کی پوٹلی دی تھی اور.....''

''اس کے لئے شکریہ شہزادی۔ میں نے اس سے ایک گھوڑا خریدا اور چند ضروری چیزیں تا کہ مراد راجہ سے ملاقات میں آسانی ہو۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ اب وہ اس کے اتنا قریب آ چکا تھا' کہ اس کے عقب میں سورج چھپ گیا تھا۔

''آپ.....آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مارے ضبط کے وہ بے بسی سے بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خاموشی سے کہیں دور انتظار کرنا چاہیے تھا تا کہ....''

''سنو حالم۔'' اس نے آواز دھیمی کی اور سر اس کی طرف جھکایا' پھر آہستہ سے اپنی زبان میں بولا۔ ''تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار کے ایل میں دیا تھا میں نے مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ جب تم میرے کہنے پہ فرار ترک نہیں کر سکتی تھیں تو میں تمہارے کہنے پہ فرار کیوں اختیار کروں گا؟'' اور چہرہ واپس سیدھا کیا۔

''آپ.....آپ مجھے سزا دینے کے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔اس سب کا اثر ایڈم پہ پڑے گا۔'' وہ پریشانی سے بولی۔ دونوں روش کے وسط میں کھڑے تھے اور دوسرے لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے۔

''ساری دنیا آپ کے گرد نہیں گھومتی' شہزادی تاشہ۔ میں آپ کے احکامات کے تابع نہیں ہوں۔'' وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔

''آپ ملکہ' سن باؤ اور بابا سب کو دشمن بنا کے گئے تھے' تو انکو۔آپ دن کی روشنی میں یہاں کیسے واپس آ سکتے ہیں؟''

''میں نے یہ دشمن صرف ہم تینوں کو اس دنیا سے نکالنے کے لئے بنائے تھے۔تمہیں واپس آتے وقت یہ سب سوچنا چاہیے تھا۔''

''مگر آپ.....آپ بابا کے مشیر کیسے بن سکتے ہیں؟'' اور پھر وہ ٹھٹکی۔ کچھ یاد آیا۔ ''تو وہ بنگارایا ملایو میں جس شخص کا ذکر تھا.....بابا کا سلطان ساز.....وہ آپ تھے؟ یا اللہ۔'' اس نے کراہ کے پیشانی کو چھوا۔وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

''فاتح.....پلیز.....آپ بابا کو نہیں جانتے۔اگر آپ یہ سب مجھے واپس لے جانے کے لئے کر رہے ہیں تو یہ بے سود ہے۔اور اگر....'' اسے خیال گزرا۔''اگر آپ ہمارے قریب اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ مجھے سلطان سے شادی سے روک سکیں تو آپ جانتے ہیں۔میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا۔میں کبھی بھی سلطان سے شادی نہیں کروں گی۔''

اس نے فکرمندی سے یقین دلانا چاہا۔فاتح نے ایک دفعہ پھر چہرہ اس کی طرف جھکایا۔

"As if I care?"

اور ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالتا اس کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ نے بے یقینی سے مڑ کے اسے واپس جاتے دیکھا' پھر ایک دم انگریزی میں پکار کے کہا۔

''آپ اس شخص کے سلطان ساز کیسے بن سکتے ہیں جو آپ کو نہ پسند کرتا ہے نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہے۔''

سیاہ قبا والا آدمی رکا اور مڑ کے اسے دیکھا۔ اب سورج تالیہ کی پشت پہ تھا' اس لئے فاتح کی مسکراتی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''واقعی.....ایسے شخص کا سلطان ساز بننا آسان نہیں جو نہ آپ کو پسند کرتا ہو اور نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہو۔یہ ایک آرٹ ہے جو میں نے کسی اور زمانے میں کسی اور کو کرتے دیکھا تھا۔''

جتا کے بولا' پھر سر کو خم دے کر دوبارہ تعظیم پیش کی اور پلٹ گیا۔مصاحب اور سپاہی اس کے عقب میں چل دیے۔تالیہ نے سپاہیوں کے گروہ میں سے ایک کو گھورتے ہوئے انگلی سے واپس آنے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً اس کے سامنے آیا اور سر جھکا دیا۔

''جی شہزادی؟''

"مجھے ساری کتھا سناؤ۔ یہ جیا کا غلام فاتح میرے بابا کا مشیر کیسے بنا؟"

سپاہی نے صبح جو دیکھا تھا' کہہ سنایا۔ "راجہ اور وہ گھوڑوں پہ کھڑے بات کرتے رہے۔ پھر راجہ نے حکم دیا کہ اس کا محل میں کمرہ تیار کیا جائے کیونکہ....."

"کیا؟" وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "مطلب.....کیا وہ ہمارے محل میں رہے گا؟"

"جی.....جیسے عارف رہتا ہے۔ جیسے....."

"مثالیں مت دو۔ یہ بتاؤ دربار میں کسی نے اس کے بارے میں کچھ کہا تو نہیں۔"

اور جواب میں سپاہی نے جو اسے بتایا' اسے سن کے تالیہ کا دماغ مزید گھوم گیا۔ شہزادی کا عروسی لباس...کاریگر...یا اللہ...یہ وان فاتح کیا کر رہا تھا؟

وہ چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر اپنی کنیزوں اور غلام کی طرف گھومی۔

"ملکہ کو خبر دو کہ شہزادی تاشہ آئی ہے۔" وہ بظاہر سنجیدہ تھی مگر اندر سے پریشان۔ کوئی بھی اس کی منشاء کے مطابق کام نہیں کر رہا تھا۔ ایڈم الگ بیمار پڑا تھا اور وان فاتح کیا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب میں کیا لکھا تھا آگے کیا ہوگا؟ مگر ایک دفعہ کی پڑھی ہوئی کتاب کی اکثر تفصیلات ذہن سے اس وقت محو ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بس ایک چیز واضح یاد تھی۔ وہ احمقانہ سات سوال جو تاشہ نے مرسل شاہ کے سامنے رکھے تھے۔ نہیں۔ (اس نے سر جھٹکا۔) وہ من گھڑت ہوں گے۔ آخر میں ایسی شرائط کیوں رکھوں گی؟

دربار اب خالی ہو چکا تھا اور وہاں ملکہ یان سوفو براجمان تھی۔ اب کے اس نے اپنی کنیزوں اور سپاہیوں کو الگ نہیں کیا تھا۔ وہ بڑی شان سے تخت پہ اپنا لباس پھیلا کے بیٹھی' کھلے دروازے سے اندر آتی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

یان سوفو کو وہ پہلی نظر میں ہی مختلف لگی تھی۔ اس کے بال سیاہ اور چھوٹے تھے' اور اس نے ان کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی لگ رہی تھی اور چہرے پہ سختی سی آ گئی تھی۔

وہ چبوترے کے سامنے آ رکی اور تعظیم پیش کر کے گردن اٹھا کے ملکہ کو دیکھا۔

"میں جانتی تھی آپ مجھ سے ملنا چاہیں گی' ملکہ...اسی لئے میں خود ہی آ گئی۔ اس سے قبل کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھیں' میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب دے دیتی ہوں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

یان سوفو خاموشی سے اسے سننے گئی۔ ساتھ ہی وہ اپنی ایک کلائی کو دوسرے سے سہلا بھی رہی تھی۔

"میں اپنے بابا کے لئے واپس آئی ہوں۔ میں زیادہ دن وہاں نہیں رہ سکی جہاں گئی تھی۔ میرے لئے اب وہاں کچھ نہیں

بچا۔ اور یہاں..... یہاں بابا کے علاوہ مجھے کسی سے کوئی رشتہ نہیں بنانا۔ وہ بات جو میرے اور آپ کے درمیان طے پائی تھی.....وہ برقرار ہے۔ اور سب ویسے ہی ہوگا جیسے آپ چاہتی ہیں۔''

یان سوفو اپنی آنکھیں اس پہ مرکوز رکھے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

''آپ کو میری طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس مسئلے سے بابا کی مدد سے چھٹکارا حاصل کرلوں گی۔ سلطان مرسل اور میری شادی کبھی نہیں ہوگی۔''

یان سوفو کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔ تالیہ رکی اور اسے بولنے کا موقع دیا۔ مگر جب وہ نہیں بولی تو وہ کھنکھاری۔

''رہے وہ لوگ جن کی واپسی آپ کو گراں گزر رہی ہے' وہ یہاں سے جلد چلے جائیں گے۔ آپ بےفکر رہیں۔''

ملکہ نے ہاتھ اٹھایا۔ پھر اسے ہلکا سا جھٹکا۔ یہ اسے واپس جانے کا اشارہ تھا۔ ملکہ کی خاموشی اسے کھٹکی تھی' مگر اس نے سر جھکایا' تعظیم پیش کی' اور الٹے قدموں واپس ہولی۔

یان سوفو نے کنیزوں اور سپاہیوں کو دربار سے بھیج دیا اور سن باؤ کو بلوایا۔ کچھ دیر بعد جہاں تالیہ کھڑی تھی' وہاں اب وانگ لی کھڑا نا خوشی سے کہہ رہا تھا۔

''ہمیں اس کو ہلکا نہیں لینا چاہیے۔ غلام فاتح۔ وہ آج سلطان کی توجہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے ڈر ہے وہ کوئی نیا مسئلہ نہ کھڑا کرے۔''

دربار میں اب وہ دونوں اکیلے تھے۔ یان سوفو ابھی تک خاموش تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ وانگ لی ہاتھ باندھے کھڑا تلخی سے وان فاتح کی ان دونوں سے دھوکہ دہی کا مژدہ دہرا رہا تھا۔ مگر یان سوفو نہیں سن رہی تھی۔

وہ کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے تخت کے چبوترے کے زینے اترنے لگی یہاں تک کہ آخری سیڑھی پہ آرکی۔ اب وہ وانگ لی کے عین سامنے تھی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ملکہ کے چہرے پہ کوئی عجیب سا تاثر تھا۔

''وانگ لی۔'' وہ بولی تو نظریں دور دربار کی دیوار پہ کندہ خطاطی پہ مرکوز تھیں۔ ''انسان کے بال کس شے کی علامت ہوتے ہیں؟''

وانگ لی نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''بال؟'' اس نے سوچنے کے لئے وقفہ لیا۔ ''انسان کے غرور کے۔ تبھی حج کے موقع پہ اللہ کے سامنے سر جھکانے کے لیے انہیں کٹوانا پڑتا ہے۔''

''اور؟ اور کس چیز کو ظاہر کرتے ہیں بال؟''

''انسان کی شخصیت کو... اس کی صحت کو۔ وہ کیسی خوراک کھاتا ہے۔ اس کے ملک کا موسم کیسا ہے.....''

یان سوفو نے نظروں کا رخ وانگ لی کی طرف موڑا۔ اور پرسوچ انداز میں بولی۔

''بال وقت گزرنے کی علامت ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی بتاتی ہے کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ ان کو چھوٹا کر دینا بتاتا ہے کہ انسان اپنا وقت بدلنا چاہتا ہے۔ تاشہ کے بال چھوٹے ہو چکے ہیں اور غلام فاتح کے بال پہلے سے ذرا لمبے ہیں۔ اس کے چہرے اور ہاتھوں پہ ان زخموں کے نشانات تک نہیں ہیں جو چار روز پہلے بازار میں آخری دفعہ اس سے ملتے وقت میں نے دیکھے تھے۔ غلام فاتح اور تاشہ ان چہروں کے ساتھ نہیں واپس آئے جن کے ساتھ وہ گئے تھے۔''

''کیا مطلب' ملکہ؟'' وانگ لی الجھ کے اسے دیکھے گیا۔

ملکہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ دور خلاء میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''غلام فاتح نے مجھ پہ غصہ نکالتے ہوئے ایک بات بے دھیانی میں کہہ دی..... اس نے کہا میں اپنی ''دنیا'' سے آپ کی ''دنیا'' میں واپس آیا ہوں۔ سن باؤ... کیا یہ ممکن ہے کہ اس زمین پہ کوئی دوسری دنیا بھی وجود رکھتی ہو؟''

''دوسری دنیا؟'' وانگ لی ششدر رہ گیا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔

''ہاں.... جہاں وقت کے گزرنے کا حساب مختلف ہو۔ جہاں سے یہ دونوں واپس آئے ہوں۔ جہاں سے یہ پہلی دفعہ آئے تھے۔'' وہ چونک گئی۔ ''ہم نے تاشہ کے گاؤں کا پتہ چلایا تھا۔ مگر وہ سب جھوٹ تھا۔ وہ چین کے کسی گاؤں سے نہیں آئی تھی۔ مراد راجہ کی کوئی چینی بیوی تھی ہی نہیں۔ مگر.....'' وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے جب بھی تاشہ کا ماضی جاننے کے لئے اپنے پانی میں دیکھنا چاہا' مجھے ایک ہی منظر نظر آیا۔ ایک چھوٹی لڑکی جو جنگل میں جا رہی ہے..... جو جنگل میں کھو جاتی ہے۔ ایک دروازے کے پیچھے.... اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ میں سمجھی تھی کہ مراد راجہ کا جادو میرے مناظر کا راستہ روک دیتا ہے۔ مگر نہیں۔ میرا منظر درست تھا۔ مراد راجہ کی ایک ہی بچی تھی..... جو جنگل میں کھوئی تھی۔''

''تالیہ بنتِ مراد..... مگر وہ تو چھوٹی سی لڑکی تھی..... اور یہ.....''

''اور یہ اس کے کھونے کے چند دن بعد ملی تھی۔ ایک نوجوان لڑکی۔ مراد راجہ نے کہا کہ یہ اس کی کوئی دوسری بیٹی ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ وہی لڑکی ہو؟ یہ کسی ایسی دوسری دنیا میں چلی گئی ہو جہاں وقت کی رفتار مختلف ہو۔''

''ان کے کئی سال اور ہماری ایک گھڑی!'' وانگ لی بھی متعجب رہ گیا۔

''تالیہ بنت مراد ہی شہزادی تاشہ ہے' سن باؤ۔ اور کل یہ دونوں جو ہمارے سامنے واپس آ کھڑے ہوئے ہیں... یہ دونوں چار روز بعد واپس نہیں آئے۔ یہ ایک لمبا عرصہ اپنی دنیا میں گزار کے آئے ہیں۔'' وہ اب کے سامنے دیکھنے لگی جیسے چمکتی آنکھوں سے دور کسی دوسرے زمانے میں جھانک رہی ہو۔

''کوئی اور دنیا بھی وجود رکھتی ہے' سن باؤ۔ جو اتنی خوبصورت اور جادوئی ہے کہ یہ یہاں آنے کے باوجود واپس جانے کی تمنا رکھتے تھے۔ کچھ تو ہے اس دنیا میں جو تاشہ ملاکہ پہ حکمرانی کا خواب اس کے لئے قربان کرنے پہ راضی تھی۔ ہمیں اس دنیا کو ڈھونڈنا ہے.....اس دروازے کو جس کے پار وہ جادوئی سلطنت بسی ہے۔ مجھے اس میں جھانکنا ہے....'' وہ پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ''سنو وانگ لی.....تم ان دونوں پہ نظر رکھو گے اور کسی بھی طرح مجھے اس دنیا کا راز معلوم کر کے دو گے۔''

وانگ لی نے تذبذب سے ملکہ کی عجیب سی خواہش کو سنا' اور پھر سر جھکا دیا۔

''جو حکم' ملکہ!''

یان سوفو چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اب دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی ایک دم سے مزید دلچسپ ہو گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل پہ شام کا نیلگوں اندھیرا اچھل رہا تھا۔ دور کسی مسجد سے موذن مغرب کی نماز کے لئے صدا لگا رہا تھا۔ محل کی راہداریوں اور کھڑکیوں میں ایک ایک کر کے مشعلیں روشن ہونے لگی تھیں۔

کتب خانے کے ریک خاموشی سے کونے میں جاء نماز ڈالے نماز پڑھتے ایڈم بن محمد کو دیکھ رہے تھے جو برسوں کا بیمار نظر آتا تھا۔ نماز بھی بیٹھ کے پڑھ رہا تھا۔ سلام پھیر کے اس نے جائے نماز تہہ کی اور خود دیوار تک آیا۔ وہاں اس کا لحاف رکھا تھا۔ اس نے لحاف اپنے گرد لپیٹ لیا اور گھٹنوں پہ گال ٹکا دیا۔ اس کا جسم کبھی گرم ہو جاتا کبھی ٹھنڈا۔ کبھی یوں لگتا وہ تنور میں بیٹھا ہے اور کبھی لگتا سرد خانے میں۔ سر کا درد اس کی جان لے رہا تھا اور تنفس بار بار اکھڑ جاتا تھا۔

پھر گہرے سانس لے کر وہ خود کو پرسکون کرتا۔ مراد راجہ نے بیسیوں دوائیں دے رکھی تھیں۔ وہ بار بار ان کو پھانکتا تو قدرے بہتر محسوس کرتا۔

ایک غلام کتب خانے میں جگہ جگہ رکھی مشعلیں جلا رہا تھا۔ ایک ایک کر کے ہر کونا روشن ہونے لگا۔ زرد روشنی نے سارے کو منور کر دیا تو ایڈم چونکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔

وہ کب آئی تھی؟۔ ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر نقاہت زدہ انداز میں سر کو خم دیا۔ ''شہزادی!''

''تمہیں ان آداب کی ضرورت نہیں ہے ایڈم!'' وہ خفگی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''آپ شہزادی ہیں اور میں ایک مورخ۔ مجھے ان آداب کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔''

اب وہ دونوں ساتھ ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھے نظر آئے تھے۔ کتب خانہ روشن مگر تنہا تھا۔ قدیم کتابیں اپنی جلدوں میں قید خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ ایڈم لحاف اوڑھے بیٹھا تھا اور تالیہ.....وہ شہزادی والا عروسی لباس اور زیوار

اتارے، سادہ سیاہ باجو کرنگ میں بال باندھے بیٹھی تھی۔

سامنے والی دیوار پہ ان دونوں کے سائے نظر آ رہے تھے جوان سے قد کاٹھ میں کہیں بڑے اور خوفناک تھے۔

"تو وان فاتح وہ سلطان ساز ہیں جس کا ذکر کتاب میں تھا۔" تالیہ سے ساری کتھا سن کے ایڈم بولا۔

"پتہ نہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔" وہ خفگی سے بڑبڑائی۔ پھر گردن موڑ کے ایڈم کے زرد، اداس چہرے کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری، ایڈم۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ایک شکار باز سے دوسرے شکار باز کے کتب خانے کے سفر نے ہمیں صرف نقصان ہی دیا۔"

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، چے تالیہ۔" وہ سادگی سے بولا۔ نظریں اپنے جناتی سائے پہ لگی تھیں۔ "میں صرف بیمار ہوں۔ میرے اندر کسی سے ناراض ہونے کی ہمت نہیں رہی۔"

"میں تمہیں اس سے نکال لوں گی۔ تم ایک صحت مند اور لمبی زندگی گزارو گے، ایڈم!"

آپ کو معلوم ہے اس وقت میں کیا چاہتا ہوں؟"

"کیا؟"

"میں اپنی ابو کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس قدیم زمانے میں موت کا انتظار نہیں کرنا۔ اگر یہ ایڈم بن محمد کی زندگی کے آخری دن ہی ہیں، تو یہ مجھے ان دونوں کے ساتھ گزارنے ہیں۔"

"تم دوا لئے بغیر واپس نہیں جا سکتے۔ تمہارا علاج اسی زمانے میں موجود ہے۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے، ایڈم میں تمہارے لئے سب کروں گی۔ سب کچھ۔" وہ دلگرفتی سے بولی تو ایڈم نے بوجھل پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"آپ کو وان فاتح سے محبت ہے، چے تالیہ؟"

سوال غیر متوقع تھا۔ مگر ایڈم کا یہ سوال پوچھنا زیادہ غیر متوقع تھا۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ پھر گہری سانس لی۔

"سچ بتاؤں؟"

"مرتے وقت..... یا مرنے والے کے سامنے.... ان دو صورتوں میں جھوٹ نہیں بولا جاتا۔"

وہ افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"ہاں۔ مجھے ان سے محبت ہے۔"

"کب سے؟" وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اب کے وہ سامنے دیکھنے لگی۔

"محبت کب شروع ہوئی، کس کو یاد رہتا ہے؟ یاد صرف وہ وقت رہتا ہے جب اس نے تکلیف دینی شروع کی ہو۔ محبت کی

اذیت بعض دفعہ خود محبت سے بڑی ہو جاتی ہے۔''

وہ اب سامنے پھڑ پھڑاتے شعلے کو دیکھ رہی تھی اور ایڈم کو اس کی سیاہ آنکھوں میں زرد آگ نظر آ رہی تھی۔

''آپ کو ان سے محبت ہے تو مجھے کیوں بچانا چاہتی ہیں؟''

''کیونکہ.....'' اس نے ایڈم کی طرف چہرہ موڑا تو سیاہ آنکھوں سے شعلوں کا عکس غائب ہو گیا۔'' مجھے تم سے بھی محبت ہے۔''

''دو لوگوں سے کسی کو کیسے محبت ہو سکتی ہے؟'' وہ حیران نہیں ہوا۔ مزید اداس ہوا۔

وہ اب کے مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

''جانتے ہو مجھے ساری دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟''

''کھانا'' وہ جانتا تھا۔ وہ اتنا تو تالیہ کو جانتا تھا۔

''ہاں۔ کھانا۔ میری سب سے بڑی ترغیب۔ میری کٹھن ترین آزمائش۔ کھانے کی لذیذ چیزیں۔ مگر کیا ہم انسان ایک ہی پلیٹ میں سب کھا سکتے ہیں؟''

''مطلب؟'' وہ نقاہت سے اسی دیکھنے لگا۔

''ہم سارے کھانے ایک ہی پلیٹ میں کھا سکتے۔ چاولوں کی پلیٹ الگ۔ اور میٹھے کا پیالہ الگ ہوتا ہے۔ چائے کے مگ میں پانی نہیں پیا جا سکتا۔ ایسے ہی ہمیں اپنی ذات کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف دوست چاہیے ہوتے ہیں' ایڈم۔ ہم جب سارے جذبات صرف ایک شخص سے حاصل کرنا چاہیں تو ناخوش اور تشنہ ہی رہتے ہیں۔ اس کو بھی بوجھل کر دیتے ہیں۔ ایک ہی پلیٹ میں ہر کھانا کون کھا سکتا ہے؟ اسی طرح ہم ایک ہی شخص کے اوپر اپنا سارا وجود نہیں مسلط کر سکتے۔ ہر شخص کے لئے الگ خانہ ہوتا ہے۔ ہمارے رشتے ہماری زندگیوں میں برتنوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہماری روح کو غذا فراہم کرنے والے.....مگر الگ الگ طریقے سے.....ہم کسی ایک انسان سے obsess اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ.....''

''کیونکہ ہم سارے کھانے ایک ہی برتن میں کھانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔'' وہ اداسی سے بولا تو تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔

''ہم سب کے اندر اداسی ہے' ایڈم۔ تنہائی کا ایک خلاء جو.....'' اس نے کھڑکی کے پار پھیلتی نیلگوں اندھیرے کو دیکھا۔'' جو مغرب ڈھلتے ہی ہمیں نگلنے کو منہ کھولے بیٹھا ہوتا ہے۔ سارے دن کے کام کاج کے بعد.....اس وقت ہمیں 'انسانوں' کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اداسی کا وقت ہوتا ہے۔ خوف اور تنہائی کا۔ ایک شخص اس وقت کو گزارنے کے لیے ہمیں

کافی نہیں ہو سکتا۔ہمیں اپنے اردگرد بہت سے دوست اور رشتے اکٹھے کرنے چاہئیں تاکہ وہ ہر شام ہماری مدد کیا کریں۔''

''ہاں۔اسی لیے ہر شام کو ہم اپنی دنیا میں اپنے اپنے سیل فون لے کر سب سے کٹ کے بیٹھ جاتے تھے۔لوگ کہتے ہیں' ہم اپنے فونز کے عادی ہو گئے ہیں۔مگر اب مجھے لگتا ہے چے تالیہ کہ ہم ان لوگوں کے عادی ہو جاتے ہیں جو فون کے ذریعے ہم سے جڑے ہوتے ہیں۔یہاں تو وہ سہولت بھی نہیں ہے۔''

''آئی ایم سوری ایڈم۔میں تمہیں تمہاری دنیا سے لے آئی۔''

''اگر میں اور وان فاتح واپس اپنی دنیا میں چلے گئے تو آپ کے لئے کیا صرف مراد راجہ کافی ہوں گے؟'' ایڈم کے انداز میں تلخی گھل گئی۔وہ چپ ہو گئی اور سر جھکا دیا۔

''ایڈم.....میں جانتی ہوں میں مزید اکیلی رہ جاؤں گی۔مگر کم از کم میں آزاد ہوں گی۔کے ایل میں' میں قید کر لی جاؤں گی۔مجھے زخمی دل منظور ہے۔کٹے ہوئے پر نہیں۔''

''آپ جانتی بھی ہیں کہ زخمی دل کیا ہوتا ہے؟'' اس نے گلہ کیا۔

''نہیں۔کیونکہ شاید ابھی تک میں' تم اور فاتح حقیقی معنوں میں الگ نہیں ہوئے تھے۔ناراضگیاں تھیں۔دوریاں تھیں۔کھوئی ہوئی یادداشتیں تھیں۔مگر جدائی نہیں تھی۔میں نہیں جانتی میں اس جدائی کو کیسے سہوں گی مگر.....میں اس وقت صرف تمہارے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔''

''کیا ہم ایک ماہ میں وہ اجزائے ترکیبی ڈھونڈ لیں گے' چے تالیہ؟'' اس نے کسی خوفزدہ بچے کے سے انداز میں پوچھا۔اب تو دیوار پہ اپنے دیوہیکل سائے بھی ڈرا رہے تھے۔

''ہاں۔کیونکہ جو ہمیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔کیسے' کب' مجھے معلوم نہیں۔مگر کوئی راستہ ہو گا۔ہر مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوا کرتا ہے۔''

ایڈم گھٹنے پہ گال ٹکائے لحاف لپیٹے خاموشی سے گہرے سانس لینے لگا۔اس میں مزید بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

اس صبح قدیم ملاکہ کے بازار میں خوانچہ فروش صدائیں لگاتے دکھائی دے رہے تھے۔دکانوں میں رش اور معمول کی گہما گہمی تھی۔گھوڑے گاڑیوں پہ سامان لادا جا رہا تھا۔ایسے میں مراد راجہ کا قافلہ بازار کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

مراد گھوڑے پہ سوار' سنہری قبا کندھوں پہ ڈالے' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' سپاٹ تاثرات کے ساتھ گھوڑے کو آگے بڑھا رہا تھا۔رات بارش کے باعث درخت گرے تھے اور عمومی راستے کو بندش کی وجہ سے ترک کر کے انہیں بازار سے گزرنا پڑ رہا

تھا۔ایک گھڑسوار پہلے نقارہ بجاتا ہٹو بچو کا اعلان کرر ہا تھا۔ پیچھے راجہ اور مصاحب چلے آرہے تھے۔لوگ تیزی سے راستہ چھوڑ رہے تھے۔عورتیں اور بچے دکانوں کے چھپروں تلے پناہ لینے لگے۔

وہ مراد سے چند قدم پیچھے تھا۔اس نے آج بھی کندھوں پہ سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور سنجیدہ نظریں مراد کی پشت پہ لگی تھیں۔ دفعتاً وہ اپنے گھوڑے کو مراد کے گھوڑے کے دائیں جانب لے گیا اور اسے مخاطب کیا۔

''آپ کتنے عرصے بعد بھرے بازار میں سے گزر رہے ہیں' راجہ؟''

''یاد نہیں۔''مراد کا چہرہ سپاٹ رہا۔

''آپ غیر آرام دہ نظر آتے ہیں۔''

بنداہارا نے گردن موڑ کے ایک سنجیدہ نظر ساتھ والے گھڑسوار پہ ڈالی۔

''بازار سے گزرنے کے باعث ہماری رفتار سست پڑ جاتی ہے۔محل میں بہت سے کام ہمارے منتظر ہیں۔''

''یا شاید آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے گزرنے سے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ان کی غربت' اور آنکھوں میں بسی محرومیاں آپ کو مضطرب کرتی ہیں۔''

''وان فاتح...میں نے تمہیں اپنا مشیر تعینات کیا ہے' ناصح نہیں۔ جتنا مراد راجہ ان لوگوں کے لئے کام کرتا ہے' کیا کوئی دوسرا بنداہارا کر کے گیا ہے؟''وہ تلخی سے بولا اور لگام کو زور سے جھٹکا دیا۔نتیجتاً گھوڑے کے ٹاپ تیز ہوئے۔

دونوں طرف دکانوں کی قطاریں تھیں اور درمیان میں کچا راستہ جس سے وہ گزر رہے تھے۔سامنے ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ چلتی آرہی تھی۔اس کے ہاتھ میں سامان کے تھیلے تھے۔یکدم نقارے کی آواز سنی تو چونکی۔سامنے سے آتے شاہی قافلے کو دیکھ کے وہ گھبرائی۔بچے کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو ہٹی۔افراتفری میں تھیلے پھسلے۔دوریان (پھل) راستے میں لڑھکتے گئے۔مگر وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ چھپر کی سمت بھاگ گئی۔پھل بھی نہ سمیٹے۔

راستے میں پھل کسی رکاوٹ کی طرح گرے تھے۔پیش قدم سپاہی نے گھوڑا روک لیا۔مراد راجہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔اسے رفتار سست کرنی پڑ گئی تھی۔

''اسی لئے میں بازار سے نہیں گزرتا۔''اس نے زیر لب اسے کوسا تھا۔

''راجہ!''وہ اس کے مزید قریب آیا اور آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔''میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ لوگ حقیر اور بے وقوف معلوم ہوتے ہیں' اور اپنے کام زیادہ اہم۔لیکن اگر آپ ان لوگوں کے سلطان بننا چاہتے ہیں تو رک جائیں۔ان پھلوں کو کچل کے آگے نہ بڑھیں۔''

مراد نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ ”سلطان بننے کے لئے مجھے ان لوگوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”معذرت لیکن آپ کو اگر معلوم ہوتا کہ سلطان بننے کے لئے آپ کو کیا چاہیے تو آپ مجھے اس کام کے لئے تعینات نہ کرتے۔ایک دفعہ میری بات مان کے دیکھئے۔“

ان دونوں کے گھوڑے رک چکے تھے۔پیش قدم سپاہی نے غصے سے عورت کو ڈانٹا اور پھر ان پھلوں کو دیکھا جو سارے راستے میں بکھرے تھے۔

دونوں اطراف دکانوں میں لوگ چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھنے لگے۔کوئی مدد کے لئے آگے نہ آیا۔عورت بچے کو مزید خود سے لپٹائے، سہمی ہوئی کھڑی رہی۔عارف پیچھے سے آگے آیا اور مراد کو مخاطب کیا۔

”راجہ.....اس گستاخ عورت نے یہ حرکت جان بوجھ کے کی ہے۔اس کو گرفتار کر کے سرزنش کی جانی چاہیے تاکہ بازار والوں کو عبرت ملے۔ورنہ کچھ دن تک ہیں یہاں سے روز گزرنا ہوگا۔یہاں لوگ روز شرارتیں کریں گے۔“

مراد نے پہلے اسے دیکھا اور پھر فاتح کو جو گہری سانس لے کر کہنے لگا۔

”راجہ.....ایسا نہ کریں۔وہ غریب عورت ہے۔“

مگر مراد نے ابرو سے عارف کو اشارہ کیا۔وہ فوراً مڑا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔دو سپاہی اس عورت کو اس کے بچے کے ساتھ پکڑ کے زبردستی کچے راستے پہ سامنے لے آئے۔پھل ابھی تک راستے میں بکھرے تھے۔

”راجہ....ایک دفعہ میری بات سن لیں۔“ وہ فکرمندی سے بولا مگر مراد نے ماتھے پہ بل لئے اسے دیکھا۔

”تم مجھے ایک کمزور حکمران بنانا چاہتے ہو جو موم کی طرح پگھل جاتا ہے؟ اگر ان گستاخیوں پہ لوگوں کو سزا نہ دی جائے تو وہ حکمرانوں کے تابع نہیں رہتے۔“

”شاید آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو ان لوگوں سے حقارت محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں راجہ کے قریب کہہ رہا تھا۔”الور سونگائی میں آپ نے ایسے ہی لوگوں کے ساتھ کئی برس گزارے ہیں۔میں جانتا ہوں کہ آپ کو ان کے درمیان گھومنے پھرنے سے خوف محسوس ہوتا ہے۔“

مراد راجہ کے ہاتھ لگام پہ ساکت ہو گئے۔اس نے آہستہ سے گردن موڑ کے فاتح کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

”خوف؟“

”جی۔کیونکہ آپ نے ایسے ہی لوگوں سے غداری کی تھی۔سلطان کی معافی حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنے ساتھی شکار بازوں اور کئی غریب لوگوں کو گرفتار کروایا تھا۔ان کے گھر جلوائے تھے۔جب آپ ان کچے گھروں اور دکانوں کے

سامنے سے گزرتے ہیں تو آپ کو احساسِ جرم ہوتا ہے۔"

عارف ڈپٹ کے تماش بینوں کو پھل چننے کا کہہ رہا تھا۔ ایسے میں ان دونوں کی دھیمی آواز میں گفتگو عارف کو سنائی نہ دے رہی تھی البتہ جیا کے اس غلام کو اپنے راجہ کے اتنے قریب سرگوشی میں بات کرتے دیکھ کے وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی احساسِ جرم نہیں ہے۔" مراد تلخی سے بولا۔

"اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں تو آج میری بات مان کے دیکھیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج آپ اس بازار سے وہ شے لے کر نکلیں گے جو آپ کے پاس اس سے پہلے نہ تھی۔"

"کیا؟ ثواب؟ نیکی؟ میرے اوپر ایسے وعظ اثر نہیں کرتے' وان فاتح۔"

"راجہ.....اس عورت کے چہرے کا رنگ دیکھیں۔"

مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کے نرغے میں گھری عورت کے فق چہرے کو دیکھا۔

"اس نے غلطی کی ہے۔ اس کو خوفزدہ ہونا بھی چاہیے۔" مراد نے شانے اچکائے۔

"وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ خوف سے آپ کے راستے سے نہیں ہٹی تھی۔ خوف ایسا نہیں ہوتا' راجہ۔" اس نے آواز مزید دھیمی کی۔ "یہ نفرت ہے۔"

مراد کا جبڑہ بھنچ گیا۔ اس کے چہرے پہ ایک ساتھ کئی رنگ آئے۔

"نفرت؟ ان لوگوں کے مدرسوں اور ہسپتالوں کے لئے مراد راجہ دن رات کام کرتا ہے۔ دوسرے ملکوں سے سامان تجارت منگواتا ہے تاکہ سب کو روزگار ملے۔ مسجدیں بنواتا ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اور ان کو کون بتائے گا کہ آپ یہ سب کرتے ہیں؟" وہ اسی اطمینان سے بولا۔ "ملکہ یان سوفو یہ سب ان کے لئے نہیں کرتیں مگر ملکہ سے یہ نفرت نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے گھر ملکہ نے جلوائے تھے۔ میں ان کے درمیان ایک لمبا عرصہ رہا ہوں راجہ۔ ملکہ کے بھیجے کارندے ہر بازار میں آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی الور سونگائی میں اپنے ساتھیوں سے غداری کی داستانیں سناتے ہیں۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ پھر راجہ کو خاموش دیکھ کے دھیرے سے اضافہ کیا۔

"آپ چاہیں تو ان پھلوں کو کچل کے یہاں سے چلے جائیں' مگر ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کو دوسرے لوگوں کی باتوں سے فرق نہ پڑے۔ فرق پڑتا ہے۔ سب کو پڑتا ہے۔ آپ کو ان لوگوں کو دکھانا پڑے گا کہ آپ اتنے برے نہیں ہیں جتنا وہ آپ کو سمجھتے ہیں۔ بھلے آپ حقیقت میں اس سے زیادہ برے کیوں نہ ہوں۔"

مراد راجہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ بالکل خاموش۔ پھر اس نے لگام کو جھٹکا دیا۔ اور گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا۔ اس